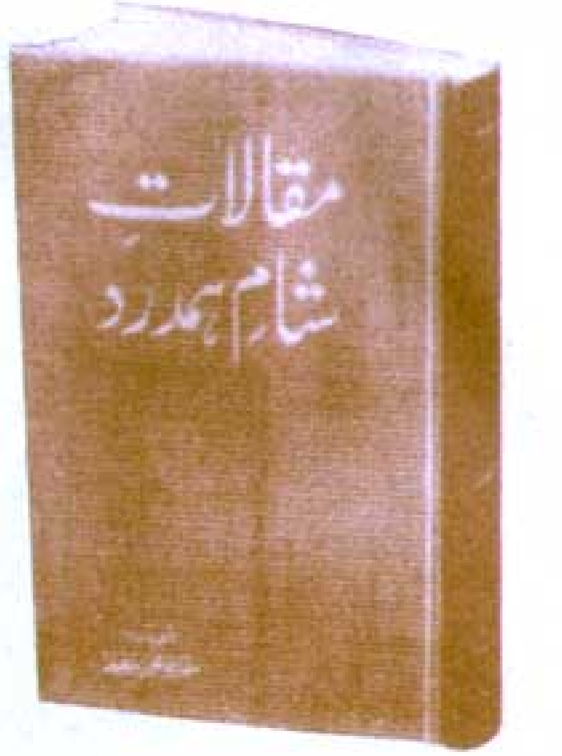

مقالاتِ شامِ ہمدرد

مرتبہ : حکیم محمد سعید

شامِ ہمدرد کی انجمن میں روشن ہونے والی وہ شمعیں ہیں
جو پاکستان کے نادرۂ روزگار علماء، شعراء، سائنسدانوں، ماہرینِ تعلیم
اور قانون دانوں نے روشن کی ہیں اور جن کی روشنی سے اردو زبان
کے آفاق صدیوں تک منوّر رہیں گے ———

بڑے سائز کے ۳۰۰ صفحات   قیمت : ———
آفسٹ طباعت ———   کاغذی جلد ۷/۵۰
آرٹ پیپر پر ۲۰ تصاویر   مجلد خاص ۱۵/-

——— ناشر ———

مکتبہ جدید   ۴۔ شارع فاطمہ جناح۔ لاہور۔

اسرار احمد   بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

"میثاق" کا زیر نظر مختصر شمارہ بہت تاخیر سے شائع ہو رہا ہے۔ ہمارے لئے ایک صورت یہ بھی ممکن تھی کہ دسمبر ۱۹۷۶ء کے شمارے کو بالکل حذف کر دیتے اور جنوری ۱۹۷۷ء کا مکمل شمارہ پیش خدمت کر دیتے۔ لیکن چند وجوہ کی بنا پر ہم دسمبر ہی کا شمارہ حاضر کر رہے ہیں۔ اگرچہ اس کی ضخامت بھی معمول سے نصف ہے اور قارئین کی خدمت میں بھی یہ دسمبر کے اواخر تک ہی پہنچ پائے گا۔ ہمارے اس فیصلے کا ایک سبب تو یہ ہے کہ حسن اتفاق سے 'میثاق' کی تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ ایک سال کے فائل میں ایک پوری سورت کی تفسیر مکمل ہو رہی ہے اگر دسمبر کا شمارہ شائع نہ ہوتا تو سورۃ الانعام کی آخری قسط اگلے سال کے فائل میں چلی جاتی ——— دوسرا سبب یہ ہے کہ ہمیں اندیشہ ہے کہ شاید ابھی ایک غیر معین عرصہ تک 'میثاق' کی اشاعت میں بے قاعدگی جاری رہے۔ بنابریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سال ۱۹۷۶ء کا فائل تو جیسے تیسے مکمل کر لیا جائے آگے جو اللہ کو منظور!

دراصل راقم الحروف کی صحت گذشتہ تقریباً چار ماہ سے خراب چلی آ رہی ہے اور تا حال صورتِ حال قابل اطمینان نہیں۔ اواخر اگست سے راقم کو حرارت رہنے لگی تھی جو شام کو زیادہ ہو جاتی تھی اور صبح کو کم ——— سبب بظاہر کثرتِ کار کے سوا اور کوئی نہ تھا، لہٰذا تقریباً ڈیڑھ ماہ تک راقم طبیعت پر جبر کر کے اپنے جملہ معمولات (مطب، حلقہ ہائے درس قرآن، خطبہ جمعہ وغیرہ) کو جاری رکھے رہا۔ لیکن جب ضعف بہت زیادہ محسوس ہوا تو سنجیدگی کے ساتھ ادھر متوجہ ہونا پڑا۔ ایکسرے وغیرہ سے پھیپھڑوں کی صورت حال مشکوک نظر آئی۔ چنانچہ آرام اور تبدیلی آب و ہوا کا فیصلہ ہوا۔ مطب بھی بند ہو گیا اور درس قرآن اور خطبہ جمعہ بھی موقوف ہو گئے۔ کامل دو ماہ کے آرام کے بعد اب طبیعت قدرے بحال ہوئی ہے۔ اگرچہ اطمینان بخش اب بھی نہیں، چنانچہ دوبارہ کام تدریجاً ہی شروع کیا جا رہا ہے۔ کرشن نگر میں بجائے تین کے صرف ایک ہفتہ وار درس کا آغاز کیا ہے۔ جامع مسجد پرن روڈ

ہیں۔ بدھ کے روز بعد نماز عشاء) خطبۂ جمعہ کی ہمیت ابھی محسوس نہیں ہوتی۔ البتہ سمن آباد کے اتوار کے درس کو جامع مسجد خضرا ہی میں منتقل کرنے کا فیصلہ ہو گیا ہے ——— چنانچہ آئندہ حلقۂ مطالعۂ قرآن سمن آباد کی ہفتہ وار نشست ہر اتوار کو صبح ۹ بجے جامع مسجد خضرا میں منعقد ہوگی۔ انشاء اللہ۔

اس عرصے میں "لکھنے" پر طبیعت بالکل مائل نہیں ہوئی۔ اور یہی سبب "میثاق" کی اشاعت میں بے قاعدگی کا ہوا۔ آئندہ بھی صورت حال غیر یقینی سی ہے۔ اسی لئے پیشگی معذرت کر دیا گیا ہے کہ شاید ابھی بے قاعدگی جاری رہے ——— قارئین "میثاق" سے استدعا ہے کہ وہ راقم کی صحت کے لئے دعا فرمائیں۔ اگر طبیعت دوبارہ زیادہ خراب نہ ہوگئی تو انشاء اللہ تعالیٰ فروری ۱۹۷۰ء سے "میثاق" حسب سابق باقاعدگی سے شائع ہوگا۔ جنوری کا شمارہ شائع نہیں ہوگا اور اس کے بجائے مستقل خریداروں کی خدمت میں "مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" کا ایک نسخہ پیش کر دیا جائے گا۔ زیرِ نظر شمارے کی ضخامت کی کمی کی تلافی کے لئے بھی "قرآن مجید اور پردہ" کا ایک ایک نسخہ اس شمارے کے ساتھ ارسال کیا جا رہا ہے۔

مخدومی پروفیسر یوسف سلیم چشتی "میثاق" کے دورِ جدید کے تقریباً آغاز ہی سے اس کے ساتھ مستقل قلمی معاونت فرما رہے ہیں ——— اور واقعہ یہ ہے کہ اب وہ "میثاق" کا جزو لاینفک بن چکے ہیں۔ ادھر راقم کی صحت خراب ہوئی اور مختلف النوع کاموں کے بار کا احساس ہوا تو پروفیسر صاحب نے "میثاق" کے سلسلے میں پہلے سے بھی زیادہ تعاون کا یقین دلایا۔ چنانچہ آئندہ "میثاق" کی ترتیب کی ذمہ داری کا زیادہ تر بوجھ انشاء اللہ وہی اٹھائیں گے اور ان کی حیثیت "میثاق" کے اعزازی مدیر کی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس ذمہ داری سے کما حقہٗ عہدہ برآ ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین!)

اسی دوران میں جو اندوہناک حادثہ پیش آیا اس سے قارئین "میثاق" واقف ہی ہیں۔ جناب ڈاکٹر محمد رفیع الدین صاحب مرحوم و مغفور کی موت عام حالات میں بھی واقع ہوتی تو کم المناک نہ ہوتی۔ لیکن اب جس صورت میں یہ حادثۂ فاجعہ پیش آیا ہے اس نے تو واقعۃً سب کے دل ہلا کر رکھ دیئے ——— اللہ تعالیٰ مرحوم پر اپنی رحمتوں کی بارش فرمائے اور ان کی روح کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے ——— اور ان کے پس ماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائے! (آمین)

راقم نے آج سے تقریباً پندرہ سال قبل ڈاکٹر صاحب کی تصنیف "قرآن اور علم جدید" پڑھی تھی اور اسی وقت سے ایک حسن ظن ان کی ذات کے ساتھ پیدا ہو گیا تھا، انہی دنوں جب ان کے ایک عزیز سے جو گورنمنٹ

کالج منٹگمری میں لائبریرین تھے، یہ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب نہ صرف صوم و صلوٰۃ کے پابند ہیں بلکہ ذکر جہری کی لذت سے آشنا بھی ہیں تو ان کی ذات سے ایک باقاعدہ غائبانہ عقیدت کا تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ ۶۲-۱۹۶۱ء میں کراچی میں ڈاکٹر صاحب سے ایک دو بار ملاقات بھی ہوئی ——— تاہم ان سے راقم کے براہِ راست روابط کی عمر دو ڈھائی سال سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ مناسبتِ طبع اور وحدتِ فکر کی وجہ سے اس مختصر مدت میں بھی نہایت قریبی تعلقات پیدا ہو گئے تھے جن کا ایک مظہر "میثاق" کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کا مستقل قلمی تعاون تھا (اگرچہ اس پر ڈاکٹر صاحب کو اپنے بعض احباب کی ناخوشی کا سامنا بھی کرنا پڑتا تھا) ——— ذاتی طور پر بھی راقم پر ڈاکٹر صاحب کی شفقتیں اور عنایتیں روزافزوں تھیں۔ چنانچہ اس حادثۂ فاجعہ پر بہت سے احباب نے بالکل بجا طور پر راقم کو تعزیت کا حقدار گردانا ———

فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

ڈاکٹر صاحب کی علمی حیثیت کے بارے میں راقم کا کچھ عرض کرنا اپنی حدود سے تجاوز ہے ——— پائدار علمی کاموں کی قدر بالعموم دیر ہی سے ہوتی ہے۔ خصوصاً ہمارے یہاں تو زندگی میں قبول عام صرف صحافتی قسم کے مصنفین کو حاصل ہوتا ہے۔ تاہم زمانہ بہترین منصف ہے اور بقاء و دوام صرف پائدار اور باوقار علمی تصانیف ہی کو حاصل ہوتے ہیں اور انشاء اللہ زمانہ جلد ہی ڈاکٹر صاحب کے علمی مقام و مرتبے کو پہچان لے گا ——— تاہم راقم کے نزدیک ڈاکٹر صاحب کی اصل قدر و قیمت اور وقعت و عظمت اس اعتبار سے تھی کہ وہ ایک سچے خدا پرست اور راسخ العقیدہ مسلمان تھے اور محبتِ خداوندی ان کے پورے وجود میں سرایت کئے ہوئے تھی ——— اور خصوصاً اس اعتبار سے ان کے دل و دماغ میں ایسی کامل ہم آہنگی پائی جاتی تھی کہ یہ کہنا بہت مشکل تھا کہ ان کا دل زیادہ مسلمان ہے یا دماغ ——— !! اور یہی چیز ہے جو اس دور میں بالکل عنقا ہے۔ اس لئے کہ اس گئے گزرے زمانے میں بھی علم اور ایمان کے خزانے علٰحدہ علٰحدہ تو مل جاتے ہیں۔ یکجا نظر نہیں آتے ——— !!

سچی خدا پرستی کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کی صحبت سے ایک نہایت گہرا اور نمایاں اثر ہر مخاطب پر اس بات کا پڑتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب اسلام کے شاندار مستقبل پر پختہ اور غیر متزلزل یقین رکھتے تھے ——— اور اگرچہ پچھلے دنوں بعض ملکی حالات سے وہ بہت مضطرب رہے حتیٰ کہ وقتی طور پر دل برداشتہ سے بھی رہے تاہم ان کے اس یقین میں ہرگز کوئی کمی نہیں آئی کہ مستقبل کی عالمگیر ریاست اسلام کی عطا کردہ سچی خدا پرستی کی بنیاد ہی پر قائم ہوگی۔

اور راقم کی رائے میں یہی ڈاکٹر صاحب کے پورے فکر کے وہ دو مرکزی خیال ہیں

جن کے گرد ان کی تمام تصانیف کا تانا بانا قائم ہے ـــــ یعنی ایک یہ کہ انسان کا صحیح نصب العین ایک ہی ہے اور وہ ہے محبت خداوندی اور دوسرے یہ کہ نوع انسانی جس سمت میں سفر کر رہی ہے اس کی بھی بس ایک ہی ممکن منزل ہے اور وہ ہے اسلام !!!

چنانچہ ڈاکٹر صاحب کی آخری تصنیف ' حکمت اقبال ' کا " انتساب " اس اعتبار سے بڑا معنی خیز ہے کہ اس میں انہوں نے اپنا پورا فکر سمو کر رکھ دیا ہے۔ یعنی :

"ان عاشقان جمال ذات کے نام جو مستقبل کی اس ناگزیر عالمی ریاست کا آغاز کریں گے جو اسلام کی اس حکیمانہ توجیہہ پر قائم ہوگی جس کا نام فلسفۂ خودی ہے !"

راقم کے نزدیک " عاشق جمال ذات " کا جامہ اس دور کے معروف پڑھے لکھے لوگوں میں سب سے زیادہ جس پر راست آتا تھا وہ خود ان ہی کی ذات تھی اور ان کی وفات سے محبت خداوندی کی محفل کی ایک روشن شمع گل ہوگئی ـــــ "یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی ـــــ !!

ایک بات کا خیال البتہ آتا ہے کہ اتنی عظیم ہستی اور ایسی مرگ ناگہاں۔ بلکہ کس مپرسی کی موت !! ماتم کی جا ہے کہ ہمارے یہاں جلیک مارکیٹیے اور سمگلر لمبی کاروں میں پھرتے ہوں اور ایسے ایسے صاحب کمال لوگ اس طرح رکشاؤں میں سفر کریں اور ہر طرح کے خطرات کی جیبن زد میں رہیں۔ بقول ذوق ؎

یوں پھریں اہل کمال آشفتہ حال افسوس ہے ‌ ‌ ‌ اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے!!

لیکن پھر خیال آتا ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ کا اپنے " عاشقوں " کے ساتھ کوئی خاص ہی معاملہ ہے اور بیچ

" شمع یہ سودائی دل سوزئ پروانہ ہے !"

کے مصداق یہ شمع اب پروانوں کی دلسوزی ہی کی سودائی نہیں بلکہ ان کی کامل شکستگی کی طالب ہے ؎

" کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں !"

اور " عاشقان جمال ذات " سے تو شاید " بخاک و خون غلطیدن " سے کم کسی بات پر معاملہ ہی نہیں ہوتا! ؎

" بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را !"

ڈاکٹر صاحب کی کتاب (MENIFESTO OF ISLAM) کا جو ترجمہ " منشور اسلام " کے نام سے ' میثاق ' میں شائع ہو رہا تھا اور جس کی پانچویں اور آخری قسط اس پرچے میں شائع ہو رہی ہے آج پہلی بار

ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم و مغفور کی آخری تحریر

دیباچہ ' حکمت اقبال '

[ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم و مغفور کی آخری تصنیف ' حکمت اقبال ' ہے جس کی طباعت کے مراحل ان کی وفات حسرت آیات سے چند ہی روز قبل مکمل ہوئے تھے۔ بڑے سائز پر نہایت باریک اور گنجان کتابت کے قریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل اس حد درجہ عالمانہ کتاب کو علمی کتاب خانہ اردو بازار لاہور نے شائع کیا ہے۔ اس کتاب پر مفصل تبصرہ تو انشاء اللہ جلد ہی پروفیسر محمد منور صاحب کے قلم سے پیش ہوگا۔ فی الحال اس کا دیباچہ ذیل میں شائع کیا جا رہا ہے ـــــ کچھ اس سبب سے کہ ہمارے اندازے میں یہی ڈاکٹر صاحب کی آخری تحریر ہے اور اس اعتبار سے اس کو اب ایک تاریخی حیثیت حاصل ہوگئی ہے ـــــ اور زیادہ تر اس وجہ سے کہ اس میں ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف یہ کہ اپنی جملہ تصانیف کا اجمالی تعارف خود کرا دیا ہے ـــــ بلکہ اپنے پورے تصنیفی سلسلے کے معنوی ربط کو بھی واضح کر دیا ہے۔ اس طرح اس مختصر سی تحریر کو ڈاکٹر صاحب کی تصانیف کے مطالعے کی خواہش رکھنے والے لوگوں کے لئے ایک قیمتی کلید کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ !! (مدیر)]

عرصہ دراز تک اقبال کا مطالعہ کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اقبال کے تصورات علمی اور عقلی اعتبار سے نہایت برجستہ، زوردار، درست اور ناقابل تردید ہیں اور اگرچہ یہ تصورات اس کی نظم اور نثر کی کتابوں میں جا بجا بکھرے ہوئے پڑے ہیں تاہم ان میں ایک علمی اور عقلی ربط موجود ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سب کے سب صرف ایک تصور سے ماخوذ ہیں جسے اقبال خودی کا تصور کہتا ہے لہٰذا اقبال کی تشریح کا مطلب یہ ہونا چاہیئے کہ خودی کے مرکزی تصور کے ساتھ اس کے دوسرے تمام تصورات کے علمی اور عقلی ربط کو واضح کیا جائے اور اگر ایسا کرنے کے بغیر اس کی کوئی تشریح کی جائے گی تو وہ مسلمانوں کے لئے بالعموم اور غیر مسلموں کے لئے

بالخصوص پوری طرح سے قابلِ فہم اور تسلی بخش نہیں ہو سکے گی۔ در اصل اس وقت بھی اقبال کے خیالات کے متعلق جس قدر غلط فہمیاں مسلمانوں یا غیر مسلموں میں پائی جاتی ہیں ان کا سبب یہی ہے کہ اقبال کے خیالات کی علمی اور عقلی ترتیب اور تنظیم مہیا نہیں کی گئی۔ دوسرے الفاظ میں میرا نتیجہ یہ تھا کہ اقبال کا فلسفہ دنیا کے اور بڑے بڑے فلسفوں کی طرح بالقوہ انسان اور کائنات کا ایک مکمل اور مسلسل فلسفہ ہے جس کا امتیازی وصف یہ ہوتا ہے کہ اس کے تصورات میں ایک عقلی یا منطقی ترتیب اور تنظیم موجود ہوتی ہے جو اسے موثر اور یقین افروز بناتی ہے۔ اور اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اقبال کے تصورات کی مخفی عقلی ترتیب اور تنظیم کو آشکار کرکے اس کے فکر کو ایک مکمل نظامِ حکمت (PHILOSOPHICAL SYSTEM) کی شکل دی جائے تاکہ وہ نہ صرف پاکستان کے اندر پوری طرح سے قابلِ فہم بن جائے بلکہ دنیا کے آخری باطل شکن عالمگیر فلسفہ کی حیثیت سے دنیا کے علمی حلقوں میں اپنا مقام حاصل کر سکے لہٰذا میں نے ارادہ کیا کہ جہاں تک ممکن ہو خدا کی توفیق سے اس کام کو انجام دینے کی کوشش کی جائے۔ ظاہر ہے کہ یہ نہایت ضروری تھا کہ اس کام کو انجام دینے کے لئے جو کتاب لکھی جائے اس میں ذیل کے راہنما اصولوں کو شروع ہی سے مدِنظر رکھا جائے :۔

اوّل۔ ایک فلسفہ یا نظامِ حکمت اشخاص کی سند یا شہادت پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ علمی حقائق اور عقلی استدلال پر اپنا دار و مدار رکھتا ہے۔ اس کے کسی تصور کو اس لئے نہیں مانا جاتا کہ کوئی شخص اس کی حمایت یا سفارش کر رہا ہے بلکہ اس لئے مانا جاتا ہے کہ وہ ایسے علمی حقائق پر مبنی ہے جو معلوم اور مسلّم ہیں یا جن کے عقب میں ایسا زوردار عقلی استدلال موجود ہے جو ان سے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہنے دیتا۔ اگر فلسفہ میں سند یا شہادت پیش کی جائے تو وہ صرف موثر علمی اور عقلی استدلال کے بعد اس کے نتائج کی تائید مزید کے لئے ہی ہو سکتی ہے اور وہ بھی فلسفی کی اپنی نہیں بلکہ ایسے دوسرے اشخاص کی سند یا شہادت ہی ہو سکتی ہے جن کے فکر کی عظمت پہلے سے مسلّم ہو۔ جس طرح ہیگل یا کسی اور فلسفی نے اپنے کسی حکیمانہ نکتہ کو ثابت کرنے یا لوگوں سے منوانے کے لئے کبھی اپنا ہی کوئی قول بطور دلیل کے پیش نہیں کیا۔ ہم بھی اقبال کے نظامِ حکمت کی تدوین کرتے ہوئے اقبال کے کسی حکیمانہ نکتہ کو ثابت کرنے یا لوگوں سے منوانے کے لئے خود اقبال کا ہی کوئی قول بطور دلیل کے پیش نہیں کر سکتے۔ اور خود اقبال نے بھی اپنے تصورات کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے کبھی اپنے قول کو بطور دلیل کے پیش نہیں کیا بلکہ قوانینِ قدرت اور حقائقِ علمی کی طرف اشارے کئے ہیں لہٰذا اقبال کے نظامِ حکمت کی تدوین کے لئے جو کتاب لکھی جائے گی اس میں اقبال کا حوالہ نہیں دیا جائے گا بلکہ فقط علمی حقائق اور عقلی استدلال کی مدد سے اقبال کے تصورات کی صحت اور معقولیت کو ثابت کیا جائے گا۔

دوئم۔ اقبال کے تصورات کو علمی اور عقلی اعتبار سے مرتب اور منظم کرنے اور ان کی صحت اور معقولیت کو واضح کرنے کے لئے ضروری ہوگا کہ تمام ایسے علمی حقائق کو ان کی عقلی اور علمی بنیادوں کے سمیت کام میں لایا جائے جو آج تک

دریافت ہو چکے ہیں اور اقبال کے تصورات کی تائید کرتے ہیں خواہ ان کو دریافت کرنے والا فلسفی یا سائنس دان کوئی ہو اور دنیا کے کسی خطہ سے تعلق رکھتا ہو۔

سوئم۔ ان تمام حکیمانہ تصورات اور نظریات کو علمی اور عقلی اعتبار سے غلط ثابت کیا جائے گا جو اقبال کے فکر اور اس کے تصورات سے ٹکراتے ہیں کیونکہ وہ درحقیقت صحیح نہیں ہیں اور معقول استدلال کی روشنی میں ان کو غلط ثابت کیا جا سکتا ہے۔ ایسا کرنے کے بغیر اقبال کے اپنے حکیمانہ تصورات کی صحت اور معقولیت کی پوری پوری وضاحت نہ ہو سکے گی اور لوگوں کو معلوم نہ ہو سکے گا کہ آیا کسی خاص فلسفیانہ مسئلہ کے متعلق صحیح نقطۂ نظر اقبال کا ہے یا اُن نظریات کا جو اس کے فکر کے بالمقابل ہیں اور اگر صحیح نقطۂ نظر اقبال ہی کا ہے تو اس کی علمی اور عقلی وجوہات کیا ہیں۔

چہارم۔ کتاب انگریزی زبان میں ہوگی تاکہ دنیا کے علمی حلقوں میں اقبال کے فلسفہ کو پڑھا اور پرکھا جا سکے دوسرے فلسفوں کے بالمقابل اس کے علمی مقام کو معین کیا جا سکے اور اس کی معقولیت اور عظمت کو تسلیم کیا جا سکے۔

ان راہنما اصولوں کی روشنی میں اقبال کے نظامِ حکمت کی تدوین کے لئے جو کتاب لکھنے کی توفیق مجھے خدا نے عطا کی اس کا نام آئیڈیالوجی آف دی فیوچر (IDOLOGY OF THE FUTURE) ہے۔ یہ کتاب جون ۱۹۴۴ء میں مکمل ہوئی تھی اور اگست ۱۹۴۶ء میں طبع ہوئی تھی۔ اس کتاب کی اشاعت کے قریباً بیس سال بعد میں نے ان ہی راہنما اصولوں کی روشنی میں فلسفہ تعلیم پر اس کتاب کے ایک باب کی مزید تشریح اور توسیع کرکے ایک اور کتاب لکھی جس کا نام تعلیم کے ابتدائی اصول (FIRST PRINCIPLES OF EDUCATION) ہے۔ دراصل میری ساری تحریریں "آئیڈیالوجی آف دی فیوچر" (یعنی اقبال کے فلسفہ خودی) کے تصورات اور موضوعات کی مزید تشریح اور توسیع کے طور پر ہی لکھی گئی ہیں۔

چونکہ اقبال نے اپنے فلسفہ خودی کے ذریعے سے اسلام ہی کی فلسفیانہ تشریح کی ہے اور فلسفہ خودی اسلام ہی کا فلسفہ ہے لہٰذا اگر میری کتاب "آئیڈیالوجی آف دی فیوچر" اقبال کا نظامِ حکمت ہے تو پھر وہ ساتھ اسلام کا نظامِ حکمت بھی ہے لیکن چونکہ یہ کتاب بظاہر مطلق فلسفہ کی کتاب ہے جس میں نہ تو اقبال کا کوئی حوالہ ہے اور نہ قرآن اور حدیث کا۔ اس لئے اس کے پڑھنے والے اسے بالعموم فلسفہ اقبال یا فلسفہ اسلام کی حیثیت سے نہیں بلکہ مطلق فلسفہ کی حیثیت سے پڑھتے رہے ہیں۔ لہٰذا اس کتاب کی اشاعت کے بعد بھی ایک طرف اقبال کے چاہنے والوں کی یہ شکایت باقی رہی کہ اقبال پر لکھنے والوں میں سے کسی نے اقبال کے فلسفہ خودی کو ایک عقلی نظام کے طور پر پیش نہیں کیا یا اس کی مکمل تشریح نہیں کی اور دوسری طرف اسلام سے دلچسپی رکھنے والے بھی بدستور یہ کہتے رہے کہ اس دور میں اسلام سے برگشتہ، تعلیم یافتہ مسلمانوں میں اور غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ کے لئے تعلیمات اسلام کی علمی اور عقلی بنیادیں واضح کرنے اور لہٰذا اسلام کو ایک نظامِ حکمت کے طور پر پیش کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ اس صورتِ حال کی بنا پر میں

نے سمجھا کہ ہماری قوم کے ذوق کے پیش نظر اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اقبال کے فلسفہ خودی پر دو اور کتابیں لکھی جائیں جن میں سے ایک تو ایسی ہو کہ اس میں فلسفہ خودی کو قرآن اور حدیث کے حوالوں کے ساتھ اسلام کے ایک فلسفہ کے طور پر پیش کیا جائے اور دوسری ایسی ہو کہ اس میں فلسفہ خودی کو اقبال کے حوالوں کے ساتھ اقبال کے فلسفہ کے طور پر پیش کیا جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے دونوں کتابوں کے لکھنے کی توفیق دی۔ پہلی کتاب جس کا عنوان "قرآن اور علم جدید" ہے چھپ چکی ہے اسے ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور نے ۱۹۵۵ء میں چھاپا تھا اور دوسری کتاب "حکمت اقبال" کے نام سے اب پیش کر رہا ہوں۔ حاصل یہ ہے کہ جس حد تک مجھے خدا کی توفیق حاصل ہوئی ہے میں نے یہ تینوں کتابیں اس طرح سے لکھی ہیں کہ مجھے امید ہے کہ جو احباب اقبال کے فلسفہ خودی کا یا اسلام کا مطالعہ ایک خالص اور منظم فلسفہ یا سائنس کے طور پر کرنا چاہتے ہیں وہ میری کتاب "آئیڈیالوجی آف دی فیوچر" کا مطالعہ مفید مطلب پائیں گے (اس کتاب کے تیسرے ایڈیشن کے ناشر شیخ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور ہیں) اور جو فلسفہ خودی کا مطالعہ اسلام کے ایک فلسفہ کے طور پر کرنا چاہتے ہیں وہ میری کتاب "قرآن اور علم جدید" کا مطالعہ دلچسپی کا باعث پائیں گے اور پھر جو فلسفہ خودی کا مطالعہ اقبال کے حوالوں کی روشنی میں اقبال کے فلسفہ کے طور پر کرنا چاہتے ہیں وہ زیر نظر کتاب "حکمت اقبال" کا مطالعہ مدعا کے مطابق پائیں گے۔ امید ہے کہ جو احباب ان تینوں کتابوں کا مطالعہ کریں گے وہ دیکھیں گے کہ فلسفہ خودی کی مفصل تشریح کی حیثیت سے یہ تینوں کتابیں ایک دوسرے کی کمی کو بھی پورا کرتی ہیں۔

بقیہ : تذکرہ و تبصرہ

اس کا انکشاف کیا جا رہا ہے کہ وہ ترجمہ ڈاکٹر صاحب خود کر رہے تھے —— (اس سے بھی 'میثاق' کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کے تعلق خاطر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے!) ہم لازماً اس کتاب کا ترجمہ کسی دوسرے شخص سے مکمل کرا لیں گے لیکن 'حکمت اقبال' کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب اردو خواں طبقے تک جو پیغام پہنچانا چاہتے تھے وہ اس کتاب میں بتمام و کمال آ گیا ہے —— اور اب 'منشور اسلام' کی تکمیل کی چنداں حاجت نہیں !!

کراچی میں
دار الاشاعت الاسلامیہ لاہور
کے سول ایجنٹ
عوامی کتب خانہ، نزد بولٹن مارکیٹ

تدبر قرآن

مولانا امین احسن اصلاحی

تفسیر سورۂ انعام

(۱۱)

الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا
آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن
قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ
فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ۝
قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ۝
قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاءَكُمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ
هَٰذَا ۖ فَإِن شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ
الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ
وَهُم بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ۝ ۱۴۸ - ۱۵۰

مشرکین کا آخری معارضہ

سیقول الذین اشرکوا لو شاء اللہ ما اشرکنا الآیہ۔ اب یہ مشرکین کا آخری معارضہ نقل فرمایا ہے اور اس کا جواب دیا ہے۔ مشرکین جب ہر طرف سے بحث میں پسپا ہو جاتے تو آخری بات یہ کہتے کہ اگر ہم نے خدا کا شریک ٹھہرایا اور کسی چیز کو حرام قرار دینے کے معاملے میں خدا کی مرضی کی مخالفت کی ہے تو خدا کے اختیار میں تو سب کچھ ہے، اس نے اپنے اختیار سے ہم کو روک کیوں نہیں دیا؟ جب اس نے اپنے اختیار کے زور سے ہم کو نہیں روکا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ ہم نے کیا اور کر رہے ہیں یہی اس کا حکم اور یہی اس کی مرضی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ معارضہ ایک بالکل ہی احمقانہ معارضہ ہے۔ انسان کو کسی قول یا فعل کی آزادی ملنا

اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ قول یا فعل عند اللہ بھی صحیح ہے۔ اگر یہ کوئی دلیل ہے تو یہ دلیل ہر احمق اپنی حماقت کے جواز میں، ہر ظالم اپنے ظلم کی حمایت میں، اور ہر بدمعاش اپنی بدمعاشیوں کے حق میں پیش کر سکتا ہے کہ جو کچھ اس نے کیا اور کر رہا ہے خدا کے حکم سے کیا اور کر رہا ہے۔ فرمایا کہ یہ معارضہ محض ان کی شرارت کی ایجاد اور اپنی ضد پر اڑے رہنے کا بہانہ ہے۔ یہی روش ان کے پچھلے ہم مشربوں نے اختیار کی یہاں تک کہ وہ خدا کے عذاب سے دوچار ہوئے۔ یہی انجام ان کا ہونا ہے تو تم ان کو ان کے حال پر چھوڑو۔

قل ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا ان تتبعون الا الظن کا مطلب یہ ہے کہ ان سے کہو کہ خدا کی پسند یا ناپسند معلوم کرنے کا ذریعہ تمہاری اپنی زندگی اور تمہارے اپنے اعمال نہیں ہیں کہ تم جو کچھ کر گزرو وہ عند اللہ ثواب بن جائے۔ اس کے لئے کسی علمی سند کی ضرورت ہے۔ یا تو خدا نے تم کو اس کا حکم دیا ہو جس کا کوئی ثبوت موجود ہو یا عقل و فطرت کے اندر اس کے حق میں کوئی شہادت ہو جس کو تم پیش کر سکو۔ اس قسم کی کوئی چیز تو تمہارے پاس ہے نہیں، محض اٹکل کے تیر تکے چلاتے اور قیاس کے گھوڑے دوڑاتے ہو حالانکہ وہم و گمان علم کا بدل نہیں ہو سکتا۔

’قل فللہ الحجۃ البالغۃ فلو شاء لھدٰکم اجمعین‘۔ اب یہ ہدایت و ضلالت کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی جو اصل سنت ہے وہ واضح فرمائی کہ اللہ کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی مشیت کے زور سے جس کو چاہے ہدایت پر کر دے۔ اگر وہ ایسا کرنا چاہتا تو اس کی اس مشیت کو کوئی روک تو نہیں سکتا تھا، وہ تم سب کو بلکہ ساری خلق کو ہدایت پر کر دیتا لیکن اس معاملے میں اس نے جبر کو پسند نہیں فرمایا ہے بلکہ دلیل و حجت کے ذریعے سے وہ رہنمائی کرتا ہے اور لوگوں کو اس نے یہ اختیار دیا ہے کہ وہ چاہیں تو اس رہنمائی کو قبول کریں اور چاہیں تو رد کریں۔ پس اللہ نے اپنی یہ حجت بالغہ اپنے رسول کے ذریعے سے تم کو پہنچا دی۔ تمہارے پاس تو محض ظن و گمان ہے مگر اللہ کے پاس عقل و دل میں اتر جانے والی دلیلیں ہیں بشرطیکہ تم ان کے سننے اور سمجھنے کے لئے اپنے کانوں اور اپنے دلوں کو کھولو۔ ہدایت حاصل کرنے کی راہ یہی ہے۔ خدا اپنی مشیت کے زور سے کسی کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ یہ تو حجت و دلیل اور عقل و دل کا سودا ہے۔

’قل ھلم شھداءکم الذین یشھدون ان اللہ حرم ھذا‘: مطلب یہ ہے کہ محض اٹکل کے تیر تکے نہ چلاؤ۔ ہاں اگر تمہارے پاس ایسے گواہ ہوں جو یہ گواہی دے سکیں کہ جو چیزیں تم نے حرام ٹھہرا رکھی ہیں خدا نے وہ حرام ٹھہرائی ہیں تو ان گواہوں کو سامنے لاؤ۔ یہ واضح رہے کہ معقول گواہی صرف دو بنیادوں پر ہوتی ہے۔ ایک تو ذاتی مشاہدہ اور شخصی علم و واقفیت پر، دوسری کسی عقلی یا فطری

قرینہ پر جس کی مثال سورۂ یوسف کی آیت ۲۶ - ۲۸ میں موجود ہے۔ یہاں قرآن نے ان دونوں ہی قسم کے گواہوں اور گواہیوں کا مطالبہ کیا ہے کہ اس طرح کی کوئی گواہی بھی موجود ہو تو اس کو پیش کرو، ورنہ اس حجت بالغہ کو قبول کرو جو قرآن تمہارے آگے پیش کر رہا ہے۔

’فان شھدوا فلا تشھد معھم ولا تتبع اھواء الذین کذبوا بآیاتنا الایۃ‘ یعنی اگر گواہی کی مذکورہ شرطوں کے بغیر ہی یہ گواہی دینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں تو تمہیں ایسے لاغیوں اور ہرزہ سراؤں کی پروا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اپنی دعوت و شہادت پر جمے رہو۔ ان لوگوں کی خواہشات و بدعات کی پیروی نہ کرو۔ یہاں ان کی بدعات کو ’اھواء‘ کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس لئے کہ جو چیز کے حق میں نہ کوئی نقلی دلیل ہو نہ عقلی، ظاہر ہے کہ وہ اس کے اختیار کرنے والوں کی خواہش ہی پر مبنی ہو سکتی ہے اور جن کی رہنما ان کی خواہش ہو ان کا انجام معلوم۔ یہاں ان لوگوں کی تین صفات کا حوالہ دیا ہے ایک یہ کہ یہ اللہ کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں، دوسری یہ کہ یہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، تیسری یہ کہ یہ اپنے رب کے ہمسر ٹھہراتے ہیں۔ مقصود ان صفات کے حوالہ سے یہ ہے کہ جو لوگ اتنے بگ ٹٹ ہیں کہ خدا، آخرت اور آیاتِ الٰہی میں سے کوئی چیز بھی ان کے نزدیک درخورِ اعتنا نہیں، ایسے عنان گسیختہ لوگوں کی خواہشیں ان کو کہاں لے جائیں گی، اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔!

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ○ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ○ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ۔ ۱۵۱ - ۱۵۲

قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم الا تشرکوا بہ شیئاً؛ یہ اصل

ملت ابراہیم کا تفصیل بیان ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلایا کہ تم نے تو محض اپنے ظن و گمان سے ملت ابراہیم کی بعض طیب و حلال چیزوں کو اپنے مشرکانہ توہمات کی بنا پر حرام ٹھہرا رکھا ہے کہ یہی کل ملت ابراہیم یہی ہے۔ اور تم نے اسی کا حق ادا کر دیا۔ حالانکہ ملت ابراہیم میں دوسری بہت سی باتیں اجو خدا اور بندوں کے حقوق و معاملات سے متعلق حرام ہیں، ان کو تم نے اختیار کر رکھا ہے۔ تو آؤ میں تمہیں سناتا ہوں کہ تمہارے رب نے تم پر کیا کیا چیزیں حرام ٹھہرائی ہیں۔ فرمایا کہ سب سے پہلی چیز جو تم پر حرام کی گئی وہ شرک ہے۔ لیکن شرک کو تم نے اپنا دین بنا رکھا ہے۔

'وبالوالدین احسانا': خدا کے بعد سب سے بڑا حق والدین کا ہے۔ اب یہ اس کا ذکر فرمایا۔ یہ ہے تو اسی اوپر والی بات ہی کے تحت لیکن اس کو منفی کے بجائے مثبت پہلو سے ذکر فرمایا۔ زیر بحث آیات میں اسلوب کی یہ ندرت قابل لحاظ ہے کہ بعض باتیں منفی پہلو سے بیان ہوئی ہیں، بعض مثبت پہلو سے۔ مثلاً شرک، قتل اولاد، فحشا، قتل نفس، اور اکل مال یتیم کا ذکر تو منفی پہلو سے ہے اور والدین کے ساتھ احسان، ایفائے کیل و میزان، قول و عمل میں اہتمام عدل اور ایفائے عہد الٰہی کا ذکر مثبت اسلوب سے ہے۔ بعینہٖ یہی اسلوب، بعینہٖ انہی امور کے بیان میں بنی اسرائیل کی آیات ۲۲ - ۳۸ میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفی سے اثبات اور اثبات سے نفی کا استنباط ایک بدیہی چیز ہے۔ جب ایک شے کا اثباتی انداز میں حکم ہے تو اس کے لازمی معنی یہ ہیں کہ جو چیز اس کی ضد ہے اس کی لازماً ممانعت ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس ایک چیز کی ممانعت ہے تو اس سے یہ بات آپ سے آپ نکلی کہ اس کا مقابل پہلو مطلوب ہے۔ یعنی اگر شرک کی نہی ہے تو توحید مطلوب ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس اگر والدین کے حقوق کی ادائیگی کا حکم ہے تو ان کے ساتھ بدسلوکی اور ان کی نافرمانی حرام ہے۔ اس اسلوب کی روشنی میں وہ تمام باتیں جو بیان تو ہوئی ہیں اثبات کے الفاظ میں لیکن ہیں ظاہری تالیف کلام کے اعتبار سے 'حَرَّمَ' ہی کے تحت، ان سب کے ضد پہلو کو بھی مدنظر رکھیے۔ گویا پوری بات یوں ہے کہ "نہ والدین کو اُف کہو، نہ جھڑکو بلکہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو"۔ اس اسلوب کا فائدہ یہ ہے کہ اس میں جو پہلو زیادہ زور و قوت سے ظاہر کرنے کا ہے وہ تو الفاظ میں بیان ہو جاتا ہے اور اس کا ضد پہلو بغیر الفاظ کی مدد کے مجرد فحوائے کلام اور اقتضائے نظام سے سمجھ میں آ جاتا ہے۔ قرآن نے اس اسلوب کے مضمرات کہیں کہیں کھول بھی دیئے ہیں مثلاً سورہ بنی اسرائیل میں یہی بات یوں ارشاد ہوئی ہے:-

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا ؕ

اور تیرے رب کا فیصلہ یہ ہے کہ تم نہ عبادت کرو مگر اسی کی اور والدین

اِمَّا یَبۡلُغَنَّ عِنۡدَکَ الۡکِبَرَ اَحَدُہُمَاۤ اَوۡ کِلٰہُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّہُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡہَرۡہُمَا وَقُلۡ لَّہُمَا قَوۡلًا کَرِیۡمًا ۞ وَاخۡفِضۡ لَہُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَۃِ وَقُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡہُمَا کَمَا رَبَّیٰنِیۡ صَغِیۡرًا ۔ ۲۳-۲۴ بنی اسرائیل

کے ساتھ احسان کرو جیسا کہ اس کا حق ہے۔ اگر تمہارے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو نہ ان سے اظہار بیزاری ہو، نہ ان کو جھڑکنا، ان سے سعادت مندانہ بات کرنا اور ان کے لئے مہر و وفا کے بازو جھکائے رکھنا اور دعا کرنا کہ اے رب تو ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں مہر کے ساتھ پالا۔

قتل اولاد فقر و فاقہ کے اندیشہ سے

'ولا تقتلوا اولادکم من املاق نحن نرزقکم و ایاھم': 'املاق' کے معنی فقر و تنگ دستی ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل میں 'خشیۃ املاق' کے الفاظ ہیں۔ یعنی اس اندیشہ سے کہ اولاد کیا کھائے گی، کہاں سے اس کی پرورش ہوگی؟ اس کو قتل نہ کرو۔ اہل عرب میں قتل اولاد کی ایک قسم تو وہ تھی جس کا تعلق مشرکانہ توہمات سے تھا جس کا ذکر اسی سورہ میں پیچھے گزر چکا ہے، دوسری صورت بعض قبائل میں لڑکیوں کو زندہ درگور کر دینے کی تھی جس کا سبب غیرت کا ظالمانہ حد تک غلو تھا۔ تیسری یہ فقر و فاقے کے اندیشے کی صورت تھی بعض غریب لوگ تنگ دستی سے گھبرا کر یہ سنگ دلانہ حرکت کر بیٹھتے۔ اس قسم کی لرزہ خیز خبریں اب بھی کبھی کبھی ان ملکوں سے آجاتی ہیں جن میں غربت زیادہ ہے یا جہاں کی ناگہانی آفت سے لوگ مصائب میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اس ظلم کا اصل باعث انسان کی یہ جہالت ہے کہ وہ اپنے آپ کو اپنا اور اپنی اولاد اور متعلقین کا روزی رساں سمجھ بیٹھتا ہے حالانکہ ہر شخص کو وجود اور رزق خدا کی طرف سے ملتا ہے۔ انسان ان چیزوں میں واسطہ اور ذریعہ ہونے سے زیادہ دخل نہیں رکھتا۔ اگر کسی کو خدا نے اولاد بخشی ہے تو اصلاً وہ اس کی تحویل میں خدا کی امانت ہے۔ اس کا فرض یہ ہے کہ عقل و فطرت اور شریعت کی رو سے اس امانت سے متعلق اس پر جو ذمہ داریاں اور جو فرائض عائد ہوتے ہیں وہ اپنے اطمینان کے حد تک ادا کرے لیکن ایک لمحہ کے لئے بھی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو کہ خدا نے اس کو ان کا رزاق بنایا ہے اور جس رزق سے وہ پلتے ہیں یہ وہ ان کو فراہم کرتا ہے۔ اُن کا رزق تو درکنار آدمی اپنا رزق بھی خدا ہی سے پاتا ہے۔ بچہ ماں کی چھاتی سے جو دودھ پیتا ہے یہ بھی ماں کا دیا ہوا نہیں بلکہ اپنے رب کا

دیا ہوا کھاتا ہے۔ تو جب بچے اپنے رب کا دیا ہوا کھاتا پیتا ہے تو کسی دوسرے کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کو اس اندیشہ سے قتل کرے کہ میں اس کی پرورش کہاں سے کروں گا؟ قرآن نے اسی حقیقت کو یوں کھولا ہے کہ نحن نرزقکم و ایاھم (ہم ہی تم کو بھی روزی دیتے ہیں اور ان کو بھی روزی دیتے ہیں)

خاندانی منصوبہ بندی

افراد کی طرح بعض اوقات حکومتیں بھی اپنے دائرہ اختیار اور اپنے فطری و شرعی حدود کار سے متجاوز ہو کر ان حدود میں مداخلت کرنے لگتی ہیں جو قدرت کے حدود ہیں۔ اس تعدی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خلق کے لئے کوئی مفید کام کرنے کی جگہ وہ اپنی صلاحیتیں نظام قدرت سے زور آزمائی میں صرف کرنا شروع کر دیتی ہیں۔ ایک فرض شناس حکومت کے لئے یہ بات تو معقول ہے کہ وہ اپنے ملک کے وسائل معاش کو ترقی دینے کے لئے بر و بحر کے ایک ایک چپہ چپہ اور ایک ایک گوشے کو چھان ڈالے اور اس راہ کے کسی پتھر کو بھی الٹے بغیر نہ چھوڑے۔ یہ بات بھی اس کے فطری بلکہ شرعی فرائض میں سے ہے کہ وہ ملک کے عوام کو زندگی کے ہر شعبہ میں، خواہ وہ پبلک ہو یا پرائیویٹ، اجتماعی ہو یا خاندانی، احتیاط، اعتدال، کفایت شعاری، صحت، صفائی اور محنت کی تربیت دے لیکن یہ امر بالکل اس کے دائرہ اختیار اور حدود کار سے باہر ہے کہ وہ یہ منصوبہ بندی کرے کہ اتنی مدت میں ہم اتنا غلہ پیدا کریں گے اور اسی حساب سے اتنے بچوں کو پیدا ہونے دیں گے اور اگر کسی مزید ناخواندہ مہمان نے ہماری نپی تلی روٹی اور گنی بوٹی میں حصہ دار بننے کی کوشش کی تو ہم اپنی سائنسی تدبیروں سے کام لے کر اس کا گلا گھونٹ دیں گے۔

غور کیجئے تو معلوم ہو گا کہ اس معاملے میں جو غلط فہمی عرب جاہلیت کے سنگدلوں کو لاحق ہوئی تھی اسی غلط فہمی کا شکار اس زمانے کی متمدن حکومتیں ہو رہی ہیں۔ انہیں بھی خدا پر غصہ تھا کہ جب وہ بھرپور روٹی نہیں دے رہا ہے تو دمبدم اولاد میں کیوں اضافہ کئے جا رہا ہے؟ یہ غصہ وہ اولاد کو قتل کر کے نکالتے تھے۔ اس زمانے کے متمدن انسان کو بھی یہی برہمی ہے کہ ابھی جب اپنے ہی معیار زندگی کو ہم اپنے مطلوبہ معیار پر نہ پہنچا سکے تو دوسروں کی ذمہ داری کا بوجھ اپنے کندھوں پر کس طرح اٹھا لیں؟ اس برہمی یا گھبراہٹ میں انہوں نے خاندانی منصوبہ بندی کی سکیم بنا ڈالی۔ شکلیں ذرا بدلی ہوئی ہیں۔ عرب اجڈ اور گنوار تھے اس وجہ سے انہوں نے ایک ناتراشیدہ اور بھونڈی سی شکل اختیار کی، موجودہ زمانے کا انسان مہذب اور تعلیم یافتہ ہے اس وجہ سے اس نے ایک خوبصورت سی شکل اختیار کی ہے اور نام بھی اس کا اس نے پیارا سا ڈھونڈ نکالا ہے لیکن فلسفہ دونوں جگہ ایک ہی ہے۔ انہوں نے بھی رزاق اپنے کو سمجھا اور یہ بھی رزاق اپنے کو سمجھے بیٹھے ہیں، حالانکہ رزاق اللہ تعالیٰ ہے۔ قرآن نے عربوں پر ان کی غلطی واضح کر دی اور وہ

بات سمجھ بھی گئے، مان بھی گئے، لیکن اس زمانے کے پڑھے لکھے جنوں کو کون سمجھائے اور کون قائل کرے۔!!

زنا اور محرکات زنا

'ولا تقربوا الفواحش ما ظھر منھا وما بطن'۔ 'فواحش' کے معنی کھلی ہوئی بے حیائی اور بدکاری کے ہیں، جن میں اولین درجہ زنا کو حاصل ہے۔ چنانچہ سورہ بنی اسرائیل میں اسی مضمون کو یوں ادا فرمایا ہے ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا ۳۲ (اور زنا کے پاس بھی نہ پھٹکو، یہ کھلی ہوئی بے حیائی اور نہایت ہی بری راہ ہے) 'لا تقربوا' کا لفظ ان برائیوں سے روکنے کے لیے قرآن میں استعمال ہوا ہے جن کا پرچھاواں بھی انسان کے لئے مہلک ہے، جو خود ہی نہیں بلکہ جن کے دواعی و محرکات بھی نہایت خطرناک ہیں، جو بہت دور سے انسان پر اپنی کمند پھینکتی ہیں اور پھر اس طرح اس کو گرفتار کر لیتی ہیں کہ ان سے چھوٹنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ ایسی برائیوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھنے میں آدمی کو کامیابی صرف اسی صورت میں حاصل ہوتی ہے جب وہ اپنی نگاہ، اپنی زبان، اپنے دل کی پوری پوری حفاظت کرے اور ہر اس رخنہ کو پوری ہوشیاری سے بند رکھے جس سے کوئی ترغیب اس کے اندر راہ پا سکتی ہو اور ہر ایسے مقام سے پرے پرے رہے جہاں کوئی لغزش ہو سکتی ہے۔ اسی 'لا تقربوا' کے تقاضوں کو بروئے کار لانے کے لیے قرآن نے مردوں اور عورتوں دونوں پر بہت سی پابندیاں عائد کی ہیں جن کی تفصیل احزاب اور نور میں بیان ہوئی ہے۔ وہاں ہم انشاء اللہ اس کے سارے پہلو زیر بحث لائیں گے۔

نیکیوں اور بدیوں دونوں کے متعلق یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ان کا اصل منبع انسان کا دل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے کوئی نیکی اس وقت تک فروغ نہیں پاتی جب تک دل کے اندر اس کی جڑ مضبوط نہ ہو۔ علیٰ ہذا القیاس کوئی برائی اس وقت تک انسان کی جان نہیں چھوڑتی جب تک دل کے اندر سے اس کی جڑ اکھاڑ نہ دی جائے۔ اگر کوئی برائی دل کے اندر موجود رہے تو وہ کان، آنکھ، زبان، فکر اور خیال کی راہ سے برابر غذا حاصل کر کے موٹی ہوتی رہتی ہے، یہاں تک کہ وہ روحانی سرطان کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور گو اس کو زندگی میں ایک دن بھی فعلاً بروئے کار آنے کا موقع نہ ملا ہو تاہم انسان کے قلب و دماغ پر اس کا اس طرح تسلط ہو جاتا ہے کہ پھر تزکیہ و اصلاح کا کوئی سخت سے سخت آپریشن بھی اس پر کارگر نہیں ہوتا۔ وہ بالآخر انسان کی اخلاقی و ایمانی موت ہی پر منتج ہوتی ہے۔ اس وجہ سے قرآن نے ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے فحش سے دور دور رہنے کی تاکید فرمائی۔

قتل نفس

'ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الا بالحق'۔ ہر جان بجائے خود محترم ہے اس وجہ سے اس کی صفت 'التی حرم اللہ' (جس کو اللہ نے حرام ٹھہرایا) وارد ہوئی۔ اس سے مستثنیٰ

صرف وہ جان ہے جو کسی حق شرعی یا بالفاظ دیگر قانون کے تحت مُباح الدم قرار پا جائے۔ مثلاً کسی پر قصاص عائد ہو، یا وہ اللہ و رسول کے خلاف بغاوت کے لیے اٹھ کھڑا ہو یا زنا کی اس شکل کا مرتکب ہوا ہو جس پر رجم کی سزا ہے۔ اس قسم کے حق شرعی و قانونی کے بغیر کسی کو قتل کرنا جائز نہیں۔

'ذٰلکم وصّٰکم بہ لعلکم تعقلون' یہ باتیں ہیں جن کی اللہ نے ملت ابراہیم میں ہدایت فرمائی تھی۔ تم یہ باتیں تو چھوڑ بیٹھے، البتہ اپنے جی سے چند اچھے بھلے جانوروں کو حرام کر کے ملت ابراہیم کے علمبردار بنے بیٹھے ہو۔ اب میں تمہیں از سر نو ملت ابراہیم کے یہ احکام اس لیے سنا رہا ہوں کہ تم سوچو اور سمجھو کہ تم کہاں سے کہاں نکل گئے ہو اور دعوے یہ رکھتے ہو کہ تم ملت ابراہیم پر ہو۔ 'لعلکم تعقلون' کا اصل زور سمجھنے کے لئے کلام کی تمہید 'قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم' پیش نظر رکھئے۔ مطلب یہ ہے کہ میں نے یہ تفصیل اس لئے سنائی ہے کہ تم اپنے رویہ کا جائزہ لو اور حقیقت حال کو سمجھو۔

یتیم کا مال

'ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن' اس کی پوری وضاحت سورۂ نساء کی تفسیر میں ہو چکی ہے۔ یتیم کا مال دوزخ کی آگ ہے اس وجہ سے کسی بری نیت سے کسی کو اس کے پاس بھی نہیں پھٹکنا چاہیئے۔ جو بھی اس کے پاس جائے صرف اچھی ہی راہ سے جائے یعنی اس کو سنبھالنے اور حتی الامکان ترقی دینے کے لئے تا آنکہ یتیم بالغ ہو جائے۔ جب بالغ ہو جائے پوری احتیاط کے ساتھ گواہوں کی موجودگی میں اس کا مال اس کے حوالے کرے۔

ناپ تول میں عدل کا اہتمام

'واوفوا الکیل والمیزان بالقسط' ناپ تول کو ٹھیک ٹھیک عدل کے ساتھ پورا کرو۔ یہ بات بھی مثبت پہلو سے ارشاد ہوئی ہے اس وجہ سے اس کے ضد پہلو کو بھی، جیسا کہ اوپر ہم نے 'وبالوالدین احسانا' کے تحت عرض کیا، پیش نظر رکھنا ہوگا یعنی ناپ تول میں کمی بیشی نہ کرو کہ اپنے لیے اور پیمانہ ہو، دوسروں کے لئے اور، لینے کے لیے کوئی باٹ ہو، دینے کے لیے کوئی۔ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ۝ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَو وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ۝ (۱-۳ سورہ مطففین) (ناپ تول میں کمی کرنے والوں کی تباہی ہے کہ لوگوں سے لیں تو پورا ناپ کر لیں اور جب ان کے لیے ناپیں یا تولیں تو اس میں کمی کر لیں) یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ نظام کائنات، جیسا کہ سورہ آل عمران میں واضح ہوا، عدل و قسط پر قائم ہے اور اس کائنات کی ہر چیز شاہد ہے کہ اس کا خالق و مدبر قائم بالقسط ہے اس وجہ سے اس دنیا کی صلاح و فلاح کے لئے بنیادی چیز یہ ہے کہ انسان اپنے دائرہ اختیار میں بھی کانٹے کی تول

عدل و قسط قائم کرے۔ اگر اس میں ذرا رخنہ پیدا ہوا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری زندگی اپنے مرکز ثقل سے منحرف ہو گئی اور اب سارے نظام تہذیب و تمدن میں فساد و اختلال رونما ہو کے رہے گا۔ عدل و قسط کی اس اہمیت کی وجہ سے یہ حکم ہوا کہ ناپ تول کو ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ پورا کرو۔ سورۂ بنی اسرائیل میں اس کی برکات کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا - ۳۵ (اور ناپ کو پورا کرو جب ناپو، اور جب تولو تو ٹھیک ترازو سے تولو۔ یہی نتیجہ اور مآل کار کے اعتبار سے بابرکت اور بہتر ہے) 'ذالک خیر و احسن تاویلا' کے الفاظ دنیا اور آخرت دونوں کے نتائج و برکات کے لحاظ سے استعمال ہوئے ہیں۔ آخرت میں اس کی برکات تو واضح ہیں، دنیا میں بھی باعتبار 'مآل' جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، یہی رویہ معاش و معیشت، کاروبار اور تجارت اور عادلانہ تمدن کے فروغ کے نقطہ نظر سے بابرکت ہے کوئی ڈنڈی مارنے والی قوم دنیا میں نہ فروغ پائی ہے، نہ فروغ پائے گی۔ یہ برائی کوئی منفرد برائی نہیں ہے بلکہ یہ بہت سی برائیوں کے پائے جانے کی ایک علامت ہے۔ جس قوم کے اندر یہ برائی پائی جاتی ہے خبر دیتی ہے کہ یہ قوم عدل و قسط کے تصور سے خالی ہے اس وجہ سے یہ کسی صالح تمدن کے قیام کی صلاحیتوں سے نہ صرف محروم ہے بلکہ یہ خدا کی زمین میں فساد کے بیج بونے والی ہے۔ چنانچہ سنت الٰہی کے مطابق ایسی قوم کی جڑ کاٹ دی جاتی ہے۔ اس مسئلہ پر انشاء اللہ ہم سورۂ اعراف میں 'قوم شعیب' کے بیان میں، تفصیل سے بحث کریں گے۔

معیار مطلوب

'لا نکلف نفسا الا وسعھا' یہ وہ معیار ہے جو اللہ تعالےٰ نے تمام اعمال کے لئے مقرر فرمایا ہے کہ وہ لوگوں پر ان کی برداشت اور ان کے امکان سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ اس سے ایک تو یہ بات نکلتی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے یہ احکام جو دیئے ہیں انسان کی فطرت اور اس کی صلاحیتوں کو تول کر دیئے ہیں، ان میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو اس کے تحمل سے باہر ہو۔ دوسری یہ کہ مطلوب جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ ہر شخص پوری دیانت و صداقت کے ساتھ ان احکام کی تعمیل ظاہراً و باطناً کرے۔ اگر بلا ارادہ اس کے کسی پہلو میں کوئی بھول چوک یا کوتاہی ہو گئی تو اللہ تعالےٰ کے ہاں اس پر کوئی گرفت نہیں ہے۔ معیار مطلوب کی اس وضاحت سے احتیاط میں شدت و غلو کی نفی بھی مقصود ہے کہ لوگ خواہ مخواہ اپنے جی سے اس سے آگے بڑھ کر گول باندھنے کی کوشش نہ کریں جو خدا نے مقرر کر دیا ہے۔ البتہ اس ٹکڑے سے کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیئے کہ یہ ہماری صواب دید پر منحصر ہے کہ ہم اپنی طاقت و استطاعت کی حد خود مقرر کریں اور پھر اس مزعومہ طاقت و استطاعت کے پیمانہ سے ناپ کر اپنے لئے خدا کے احکام و شرائع میں سے

انتخاب کریں کہ اتنا ہم سے ہو سکتا ہے، یہ ہم کریں گے، باقی ہماری استطاعت سے باہر ہے اس وجہ سے ہم اس کے مکلف نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت کے باب میں یہ اختیار کسی کو نہیں بخشا ہے۔

زبان و قول کا احترام

'واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربیٰ' - یہ یوں تو زبان سے نکلنے والی ہر بات کے لیے ایک عام اصول ہے کہ جو بات بھی منہ سے نکلے وہ حق و عدل کی کسوٹی پر پوری اترنے والی ہو چنانچہ سورہ بنی اسرائیل میں ہے۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۳۶ (اور اس بات کے درپے نہ ہو جس کے باب میں تمہیں کوئی علم نہیں، کان، آنکھ، دل ان میں سے ہر ایک سے متعلق پرسش ہونی ہے) لیکن یہاں موقع کلام دلیل ہے کہ تمہاری کوئی شہادت اور تمہارا کوئی فیصلہ حق و عدل سے ہٹا ہوا نہ ہو بلکہ جب بھی دو آدمیوں کے درمیان کوئی شہادت دو یا کوئی فیصلہ کرو تو وہ حق و عدل کے مطابق ہو اور اس معاملے میں اپنے کسی عزیز و قریب کے ساتھ بھی کوئی رو رعایت نہ ہو۔

ایفائے عہد

'وبعہد اللہ اوفوا' - اب یہ آخر میں ایک جامع بات فرما دی کہ اللہ کے ہر عہد کو پورا کرو۔ اس میں وہ تمام عہد بھی آ گئے جو اللہ نے بندوں سے لیے ہیں اور وہ عہد بھی آ گئے جو ہم آپس میں کسی مقصد صالح کے لئے کرتے ہیں۔ ہر عہد کی عند اللہ ذمہ داری ہے اس وجہ سے عہد، عہد اللہ ہے اگر وہ خدا کے حدود کے اندر ہے۔ چنانچہ سورہ بنی اسرائیل میں اس کو عام ہی رکھا ہے۔ واوفوا بالعہد ان العہد کان مسئولا ۳۴ (اور عہد کو پورا کرو، عہد کی بابت پرسش ہونی ہے)

تعقل، تذکر اور تقویٰ میں باہمی معنوی ربط

'ذلکم وصاکم بہ لعلکم تذکرون' - اس ٹکڑے کو اس شرح کی روشنی میں سمجھئے جو اوپر ہم نے 'ذلکم وصاکم بہ لعلکم تعقلون' کی کی ہے۔ البتہ یہ بات یہاں قابل توجہ ہے کہ اوپر 'تعقلون' فرمایا ہے، یہاں 'تذکرون' اور آگے والی آیت میں، بالکل اسی سیاق میں 'لعلکم تتقون' ہے۔ تعقل، تذکر اور تقویٰ میں بڑا گہرا معنوی ربط ہے۔ انسان جب اندھی تقلید کی بیڑیوں سے آزاد ہو کر سنجیدگی سے ایک بات پر غور کرنے کا عزم کرتا ہے تو یہ 'تعقل' ہے اس 'تعقل' سے وہ حقائق آشکارا ہوتے ہیں جو فطرت انسانی کے اندر ودیعت ہیں لیکن انسان کی غفلت کی وجہ سے ان پر دھول کا پردہ پڑا ہوا ہوتا ہے، ان حقائق کا آشکارا ہونا 'تذکر' ہے۔ یہ تذکر انسان کی رہنمائی 'تقویٰ' کی منزل کی طرف کرتا ہے جو خلاصہ ہے تمام تعلیم و تزکیہ اور تمام قانون شریعت کا۔ ہم آگے کسی مناسب مقام میں واضح کریں گے کہ تمام شریعت کی بنیاد انسان کی فطرت پر ہے اس وجہ سے جہاں تک دین کے مبادی اور اصول کا تعلق ہے وہ خارج سے نہیں آتے بلکہ انسان کی فطرت ہی سے برآمد ہوتے ہیں بشرطیکہ انسان خدا کی 'تذکیر' سے بیدار ہو کر 'تذکر' کرے۔ شریعت درحقیقت

ہمارے ہی معدن فطرت کا برآمد شدہ خزانہ ہے جو ہماری گود میں ڈال دیا جاتا ہے بشرطیکہ ہم اس کی قدر کریں۔

حضرت ابراہیمؑ کی اصل راہ

'وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ' - 'مستقیما' یہاں 'صراط' سے حال پڑا ہوا ہے۔ ہم بیان کر آئے ہیں کہ اسم اشارہ کے اندر فعل کے معنی پائے جاتے ہیں اس وجہ سے وہ فعل کا عمل بھی کرتا ہے۔ اب یہ سلسلۂ بیان کی آخری بات ارشاد ہوئی ہے کہ یہ سیدھی راہ جو میں تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں بس اس کی پیروی کرو۔ خدا کی بتائی ہوئی راہ یہی ہے اور یہی ابراہیمؑ کی بتائی ہوئی راہ ہے جس پر چلنے کی انھوں نے اپنی اولاد کو وصیت کی تھی۔ اس راہ سے ہٹ کر جو کج پیچ کی راہیں نکال لی گئی ہیں ان سے بچو وہ ساری راہیں اس صراط مستقیم سے دور اور ملت ابراہیمؑ سے گمراہ کرنے والی ہیں۔ اسی راہ پر قائم رہنے کی ابراہیمؑ کے واسطے سے خدا نے تم کو ہدایت فرمائی تھی اور اب میرے واسطے سے خدا نے یہ از سر نو تمہارے لیے تازہ کی ہے تاکہ تم ہلاکت کی وادیوں میں بھٹکنے اور خدا کی پکڑ میں آنے سے بچو۔

ملت ابراہیمؑ اور ملت اسلام میں امر و نہی کی اساسات

یہاں یہ بات خاص طور پر ذہن میں رکھنے کی ہے کہ جس طرح کھانے پینے کی چیزوں میں حلال و حرام کے درمیان امتیاز کی فطری کسوٹی طیبات اور خبائث کو ٹھہرایا گیا ہے اسی طرح حقوق و فرائض اور کردار و اخلاق کے باب میں فطری و عقلی اصول یہ ہے کہ جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے وہ تو سب عدل و احسان اور معروف کے منبع سے نکلی ہیں اور جن باتوں سے روکا گیا ہے وہ سب بغی، فحشا اور منکر کے خاندانوں سے تعلق رکھنے والی ہیں۔ ملت ابراہیمؑ اور ملت اسلام میں امر و نہی کی اساسات اللہ تعالیٰ نے انہی چیزوں کو بنایا ہے۔ اس مسئلہ پر انشاء اللہ سورۂ نحل کی آیت ۹۰ کے تحت ہم تفصیل سے بحث کریں گے۔

ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَعَلَّهُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ۱۵۴

[illegible]

'ثم' یہاں ترتیب کو ظاہر کرتا ہے۔ اوپر جیسا کہ واضح ہوا، ملت ابراہیمؑ کا بیان تھا حضرت ابراہیمؑ کے بعد صاحب شریعت اور صاحب کتاب رسول سیدنا موسیٰؑ ہی ہیں۔ فرمایا کہ ابراہیمؑ کے بعد ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی تاکہ اپنے خوب کار بندے پر اپنی شریعت کی نعمت تمام کریں، اس میں ہر ضروری بات کی تفصیل کر دیں، اور اس کو ہدایت و رحمت بنائیں تاکہ لوگ آخرت میں اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لائیں۔

[illegible]

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنے کی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو جو کتاب دی گئی اس میں بھی بنیادی احکام وہی

ہیں جو قصّت ابراہیمؑ کے باب میں بیان ہوئے ہیں۔ آپؑ کو سب سے پہلے جو احکام الواح میں لکھ کر دیئے گئے، احکامِ عشرہ کے نام سے مشہور ہیں۔ تورات میں دیکھ لیجئے، الفاظ میں فرق ہو تو ہو لیکن باتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ حد یہ ہے کہ تعداد میں بھی فرق نہیں ہے۔ اوپر قصّت ابراہیمؑ کے جو احکام گنائے گئے ہیں وہ امر و نہی سب ملا کر دس بنتے ہیں۔ یہی دس احکام شریعت موسوی کی بھی بنیاد ہیں۔ ان پر اضافہ ہوا ہے تو تفصیلات کا اضافہ ہوا ہے جیسا کہ قرآن نے اشارہ کیا ہے۔ اور بعینہٖ یہی احکام ابتدائی طور پر جیسا کہ ہم سورۂ نحل اور سورہ بنی اسرائیل میں واضح کریں گے، اس امت کو دیئے گئے۔ گویا اصل دین بنیادی حد پر ایک ہی ہے۔ فرق ہے تو اجمال و تفصیل اور آغاز و تکمیل کا ہے۔ اس امت میں دین کو اس کی اصل اساس یعنی قصّت ابراہیمی پر لوٹا کر کامل اور اُن قیدوں اور پابندیوں سے آزاد کر دیا گیا جو یہود پر، جیسا کہ اوپر واضح ہوا، ان کی سرکشی کے سبب سے عائد ہوئی تھیں۔

’تماما علی الذی احسن‘ سے مراد بزرگوں نے جماعت بھی لی ہے لیکن میرے نزدیک اس سے مراد حضرت موسیٰؑ ہی ہیں۔ ’الذی‘ کا معروف استعمال معرفہ ہی کے لیے ہے اور جب واحد ہو تو اس سے کوئی خاص ذات ہی مراد لی جاسکتی ہے۔ قرآنی تمثیلات میں کہیں کہیں اس کا مصداق جماعت بھی ہے لیکن اس کے خاص قرائن اور خاص وجوہ ہیں جن کی تفصیل اپنے محل میں آئے گی۔ حضرت موسیٰؑ کے لیے یہ صفت اُسی طرح استعمال ہوئی ہے جس طرح حضرت ابراہیمؑ کے لئے سورۂ نجم میں ’الذی وفیّٰ‘ استعمال ہوئی ہے۔ مقصود اس صفت کے اظہار سے حضرت موسیٰؑ کا اس اتمامِ نعمت کا سزاوار ہونا ظاہر کرنا ہے کہ اللہ نے ان کو اس نعمت کا سزاوار اس لیے گردانا کہ وہ خوب کار رہتے۔ اللہ نے ان کے ظاہر و باطن میں جو کچھ ان کو بخشا اس کا حق انہوں نے پہچانا اور ہر حق نہایت خوبی سے ادا کیا۔ ایسے ہی بندے اللہ کی نعمتوں کے سزاوار بنتے ہیں اور جب وہ کسی کو اپنے منصب نبوت کے لیے انتخاب فرمانا چاہتا ہے تو کسی ایسے ہی خوب کار کو چنتا ہے اور اس پر اپنی نعمت تمام کرتا ہے۔ یہ صفت یہود کو نہایت لطیف انداز میں یاد دہانی کر رہی ہے کہ وہ ذرا اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ جس سے انہوں نے دین کی وراثت حاصل کی وہ کیا تھا اور یہ کیا ہیں؟ اس کو اللہ نے اس لیے اس نعمت سے نوازا تھا کہ اس نے ہر نعمت کا حق پہچانا اور اس کو نہایت خوبی سے ادا کیا، ان کا حال یہ ہے کہ انہوں نے ہر نعمت کی ناقدری کی، ہر ہدایت سے اعراض کیا، ہر حکم کا حلیہ بگاڑا لیکن مدعی ہیں کہ دنیا و آخرت کی تمام سعادتیں انہی کا حصّہ ہیں۔

’تفصیلاً لکل شیئ‘ میں ’کل شیئ‘ سے مراد وہ مسائل ہیں جو دین کے دائرے میں آتے ہیں۔ دین کے اصولی اور بنیادی مسائل تو وہی ہیں جو اوپر قصّت ابراہیمؑ سے متعلق، جیسا کہ ہم نے اشارہ

ہدایت اور رحمت

کیا، بیان ہوئے لیکن ان میں سے ہر چیز کے تحت تفصیلات و جزئیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو جو کتاب عطا فرمائی اس میں یہ تمام تفصیلات و جزئیات بھی بیان فرمائیں۔ اس طرح یہ کتاب ہدایت اور رحمت کا مجموعہ بن گئی۔

’ہدایت‘ اور ’رحمت‘ کے الفاظ نہایت حکیمانہ ترتیب کے ساتھ اُس مقصد کو ظاہر کرتے ہیں جس کے لیے اللہ تعالیٰ بندوں پر اپنی کتاب اتارتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کتاب اس لیے اتارتا ہے کہ دنیا میں زندگی بسر کرنے کا وہ طریقہ بتائے جو آخرت میں بندوں کو اس کی رحمت کا سزاوار بنائے۔ اس پہلو سے کتاب اپنے مقصد کے اعتبار سے ہدایت اور اپنے ثمرہ اور انجام کے لحاظ سے رحمت ہوتی ہے۔ پھر زندگی کی اصل غایت تو آخرت ہے، اس دنیا کی زندگی تو فانی اور عارضی ہے اس وجہ سے کتاب الٰہی کا اصل مقصد یہ ہوا کہ وہ اس دنیا کی زندگی کو وہ جلوہ دے کہ لوگ اللہ کی ملاقات پر ایمان لائیں اور اسی کو نصب العین بنا کر زندگی کا سفر طے کریں۔ اس حقیقت کی طرف ’لعلّہم بلقاء ربہم‘ کے الفاظ اشارہ کر رہے ہیں۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآىِٕفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۭ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ۔ ۱۵۵-۱۵۷

’وھذا کتاب انزلناہ مبارک فاتبعوہ الایۃ‘۔ تورات کے بعد اب یہ قرآن کے اتارے جانے کا ذکر فرمایا اور اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے تمام خلق پر عموماً اور اہل عرب پر خصوصاً جو فضل فرمایا ہے پہلے اس کا حوالہ دیا پھر عربوں کو دھمکی سنائی کہ اس کتاب کے ذریعہ سے تم پر حجت پوری ہو چکی ہے، اب خدا کے سامنے تمہارے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا اس وجہ سے اگر اس کو جھٹلاتے ہو تو اس جھٹلانے کے انجام کو سوچ لو۔

لفظ ’مبارک‘ اُس بارش کے لئے قرآن میں بار بار استعمال ہوا ہے جو زمین کی سیرابی،

روئیدگی اور سرسبزی کا ذریعہ بنتی، اس کے خزانوں اور اس کی برکتوں کو ابھارتی اور اس کے مردہ اور بے آب وگیاہ ہو جانے کے بعد اس کو از سرِ نو حیاتِ تازہ بخشتی ہے۔ قرآن کے لئے اس لفظ کے استعمال میں یہ استعارہ ہے کہ یہ بھی دنیا کو اس کی روحانی موت کے بعد از سرِ نو حیاتِ تازہ بخشنے اور شریعت و ہدایت کے خزاں رسیدہ چمن کو پھر سے بہار کی رونقوں سے معمور کرنے کے لئے نازل ہوا ہے۔ فرمایا کہ اس کی ناقدری نہ کرو بلکہ قبول کرو اور اس کی پیروی کرو، جس اللہ نے تم پر یہ رحمت نازل فرمائی ہے، اس کے غضب سے بچو تاکہ تم اس کی رحمت کے سزاوار ٹھہرو۔

'ان تقولوا انما انزل الکتاب علی طائفتین من قبلنا، وان کنا عن دراستھم لغافلین'۔ 'ان تقولوا' یعنی کراہیۃ ان تقولوا، یہ اسلوب اور یہ مضمون مائدہ آیت ۱۹ میں بھی گزر چکا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے تم پر یہ رحمت اس لئے نازل فرمائی ہے کہ مبادا کل کو تم خدا کے سامنے یہ عذر کرو کہ جس طرح یہود و نصاریٰ کو کتاب عطا ہوئی آخر ہم کو اسی طرح کتاب کیوں نہیں عطا ہوئی۔ ان کا علم و مطالعہ ہمارے کیا کام آ سکتا تھا؟ ہم تو ان کے علم و مطالعہ اور ان کے درس و تعلم سے بے خبر ہی رہے!

'او تقولوا لو انا انزل علینا الکتاب لکنا اھدیٰ منھم'۔ یا یہ عذر کرو کہ اگر ہم پر کتاب اترتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت قبول کرنے والے بنتے، پھر ہم اس نعمت سے کیوں محروم رکھے گئے!

'فقد جاءکم بینۃ من ربکم وھدی ورحمۃ': یعنی تمہارے یہ تمام عذرات ختم کر دینے کے لئے خدا نے تم پر ایک حجت قاطع اور ہدایت و رحمت اتار دی ہے، اب تم اس قسم کا کوئی عذر پیش نہیں کر سکتے۔ قرآن کے لیے یہاں 'بینۃ' اور 'ہدایت و رحمت' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ 'ہدایت و رحمت' کے الفاظ پر اوپر بحث گزر چکی ہے۔ 'بینۃ' کے معنی روشن دلیل اور حجت قاطع کے ہیں۔ قرآن کے لیے یہ لفظ دو پہلوؤں سے استعمال ہوا ہے۔ ایک یہ کہ اس نے عربوں کے ان تمام عذرات کا خاتمہ کر دیا جن کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے، دوسرے یہ کہ قرآن بجائے خود حجت و برہان ہے، اس کا کتاب الٰہی ہونا کسی خارجی دلیل کا محتاج نہیں ہے، یہ ایک ایسا معجزہ ہے جس کے چیلنج کا، جیسا کہ قرآن کے متعدد مقامات سے واضح ہے، اہلِ عرب کوئی جواب نہ دے سکے۔ علاوہ ازیں یہ تورات کی طرح صرف احکام و ہدایات کا مجموعہ ہی نہیں بلکہ اپنے ہر دعوے اور ہر تعلیم کے دلائل و براہین بھی اپنے ساتھ لے کر نازل ہوا ہے اور وہ ایسے مضبوط و مستحکم اور ایسے عقلی و فطری ہیں کہ ان کے مقابل میں کٹ حجتی تو کی جا سکتی ہے لیکن ان کی تردید ممکن نہیں ہے۔

'فمن اظلم ممن کذب بآیات اللہ وصدف عنھا'۔ 'صدف' لازم اور متعدی دونوں آتا ہے یعنی کسی چیز سے اعراض کرنے اور منہ پھیرنے کے معنی میں بھی اور کسی کو اس سے پھیرنے اور موڑنے کے معنی میں بھی۔ جن لوگوں نے اس کو متعدی کے مفہوم میں لیا ہے ان کی بات قوی معلوم ہوتی ہے۔ اس سے پہلے 'کذب بآیات اللہ' ہے جس کے اندر اعراض اور کٹ حجتی کا مضمون خود آ گیا۔ اس کے بعد موزوں بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ اس کو متعدی کے معنی میں لیا جائے۔ یعنی جنہوں نے آیاتِ الٰہی کی تکذیب کی اور دوسروں کو ان کے سننے سمجھنے سے روکا۔

'فمن اظلم' یعنی ان سے بڑھ کر محروم القسمت اور بدبخت کون ہو سکتا ہے جن کے پاس ایسی کتاب آئے جو ان کے تمام عذرات کا خاتمہ کر دے، جو ان کے لیے حجت و برہان ہو، جو ابرِ رحمت بن کر برسے، جو رہنمائی کے لئے روشنی کا مینار اور آخرت میں رحمتِ الٰہی کی ضامن ہو، لیکن وہ اس کو خود بھی جھٹلائیں اور دوسروں کو بھی اس سے روکیں۔! ایسے لوگ مستحق ہیں کہ اللہ ان کی کرتوتوں کی پاداش میں ان کو سخت ترین سزا دے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۗ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْۤ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۗ قُلِ انْتَظِرُوْۤا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ۔ ۱۵۸

یعنی ان کے تمام عذرات ختم ہو گئے اور ہر پہلو سے ان پر حجت قائم کر دی گئی لیکن یہ دلیلوں اور حجتوں سے قائل ہونے والے اسامی نہیں، یہ تو منتظر ہیں کہ ان پر فرشتے اتریں، یا خدا خود ان کے لیے نمودار ہو، یا نہیں تو عذابِ الٰہی کی نشانیوں میں سے کوئی فیصلہ کن نشانی ظاہر ہو۔ بقرہ ۲۱۰ اور انعام ۱۱۱ میں کفار کے ان مطالبات کا ذکر گزر چکا ہے، آگے کی سورتوں میں بھی اس کا ذکر آئے گا۔ مثلاً هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۳۳ نحل (یہ نہیں منتظر ہیں مگر اس بات کے کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا تیرے رب کا فیصلہ ظاہر ہو جائے) وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۗ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا۔ ۲۱ الفرقان (اور جو لوگ ہماری ملاقات کے متوقع نہیں ہیں کہتے ہیں آخر ہمارے اوپر فرشتے کیوں نہیں اتارے جاتے یا ہم اپنے رب کو کیوں نہیں دیکھتے؟ انہوں نے اپنے آپ کو بہت بڑی چیز سمجھا اور بڑی اکڑ دکھائی)

"یوم یاتی بعض آیات ربک" یعنی خدا اور فرشتوں کا اترنا تو الگ رہا جس فیصلہ کن عذاب کے یہ منتظر ہیں وہ بھی اگر ظاہر ہو جائے تو اس کو دیکھ کر کسی کا ایمان لانا کچھ سودمند نہیں۔ ایمان معتبر صرف وہ ہے جو آنکھ، کان، دل، دماغ اور عقل کی صلاحیتوں کو استعمال کرکے لایا جائے نہ کہ عذاب الٰہی کا ڈنڈا دیکھ کر۔ عذاب الٰہی کے ظہور کے بعد کسی کا ایمان کچھ سودمند نہیں ہوگا، سودمند ایمان وہی ہوگا جو اس سے پہلے لایا جائے اور اس میں کچھ عمل صالح کی کمائی کر لی جائے۔

"قل انتظروا انا منتظرون" مطلب یہ ہے کہ اگر تم اس کتاب پر ایمان لانے کے لیے نشانی عذاب کے منتظر ہو تو انتظار کرو، اب ہم بھی تمہارے لیے اس کے منتظر ہیں اس لئے کہ وہ ساری علامتیں جو کسی قوم کو مستحق عذاب بناتی ہیں تم میں نمایاں ہو چکی ہیں۔ سنت الٰہی کے مطابق اب ایک ہی چیز باقی رہ گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ حق و باطل کے درمیان فیصلہ فرما دے۔ باطل نابود ہو اور حق کا بول بالا ہو۔ یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ نبی اور اس کے ساتھی جب اپنا حق ادا کر چکتے ہیں لیکن ضدی اور سرکش لوگ کسی طرح ان کی باتوں پر کان نہیں دھرتے تو انہیں بھی فیصلہ الٰہی کا انتظار ہوتا ہے کیونکہ اسی فیصلہ کے ظہور کے ساتھ حق کا غلبہ وابستہ ہوتا ہے۔ اس انتظار میں اصلاً مخالفوں کی تباہی کی خواہش مضمر نہیں ہوتی بلکہ حق کی فتحمندی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام دنیا میں تزکیہ و اصلاح کے مشن پر آتے ہیں۔ وہ اس کام میں اپنی پوری قوت جھونک دیتے ہیں۔ جن کے اندر خیر کی ادنیٰ رمق بھی ہوتی ہے وہ اصلاح قبول کر لیتے ہیں۔ جو بالکل اندھے بہرے بن جاتے ہیں وہ مُردوں کے حکم میں داخل ہیں جو زمین پر پڑے رہیں تو عفونت اور فساد کے سوا کچھ نہیں پھیلا سکتے اس وجہ سے ان کے فنا ہو جاتے ہی میں خلق کی بہبود ہوتی ہے۔ یہاں اس اشارے پر ہم اکتفا کرتے ہیں۔ سورۂ نوح میں ان شاء اللہ یہ مسئلہ تفصیل سے زیر بحث آئے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ
إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ○
مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَمَن جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ
فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ○ قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي
رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا
وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ
وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ
وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ○ قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ

كُلِّ شَيْءٍ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ
ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ○ ۱۵۹-۱۶۴

"ان الذین فرقوا دینھم وکانوا شیعا لست منھم فی شیء" اوپر آیت ۱۵۳ میں فرمایا تھا کہ "وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ذلکم وصاکم بہ لعلکم تتقون" (اور یہ کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے تو اس کی پیروی کرو اور مختلف پگڈنڈیوں پر نہ چلو کہ خدا کی راہ سے دور جا پڑو، یہ ہے جس کی تمہیں ہدایت فرمائی ہے تاکہ تم خدا کے غضب سے بچو) ہم نے اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا ہے کہ یہ اصل ملت ابراہیم کا بیان ہے جو حضرت ابراہیم کی ذریت کی دونوں شاخوں — بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل — کو ودیعت ہوئی لیکن ان دونوں ہی شاخوں نے اس میں بدعتیں پیدا کرکے مختلف پگڈنڈیاں نکال لیں۔ عربوں نے شرک و بت پرستی کی راہ اختیار کر لی، یہود و نصاریٰ نے یہودیت و نصرانیت کے شاخسانے کھڑے کر لیے۔ اس طرح اصل شاہراہ گم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے یہ صراط مستقیم دنیا کے لئے پھر کھولی اور، جیسا کہ اس سورہ کے پچھلے مباحث سے واضح ہوا، اس کے دلائل تفصیل سے بیان فرمائے لیکن مذکورہ تمام گروہوں نے اس واضح حقیقت کی مخالفت اور اپنی اپنی ایجاد کردہ ضلالتوں ہی پر جمے رہنے کے لئے ضد کی۔ اب یہ آخر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی جا رہی ہے کہ جن لوگوں نے اس دین میں، جو اللہ نے ان کو عطا فرمایا تھا، تفرقہ پیدا کیا اور مختلف گروہوں میں بٹ گئے تم کو ان سے کچھ سروکار نہیں، تم نے اپنا فرض ادا کر دیا، اب ان کو ان کے حال پر چھوڑو۔ ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے اب وہی ان کو بتائے گا کہ وہ کیا کرتے رہے ہیں، انجام اس کے آتے ہیں۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ اب پیغمبر کے لیے ان سے اعلان براءت کا وقت بہت قریب آ رہا ہے چنانچہ سورہ براءت میں جو اس گروپ کی آخری سورہ ہے یہ اعلان کھلم کھلا ہو گیا۔

"من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا الایۃ" یہ "ثم ینبئھم بما کانوا یفعلون" کی وضاحت ہے۔ ان کے اعمال کی خبر دینے سے مقصود ظاہر ہے کہ مجرد ان کو رپورٹ سنانا نہیں ہے بلکہ اس کا لازم یعنی جزا اور سزا ہے۔ چنانچہ اس آیت میں واضح فرما دیا کہ جو نیکی لے کر آئے گا وہ اس کا دس گنا صلہ پائے گا۔ اور جو کوئی برائی لے کر آئے گا وہ ٹھیک ٹھیک اپنی برائی کے بقدر سزا پائے گا۔ نہ نیکی کرنے والے کے ساتھ کوئی کمی کی جائے گی نہ برائی کرنے والے کے ساتھ کوئی زیادتی۔ یہ ملحوظ رہے کہ آیت میں "امثالھا" اور "مثلھا" کے جو الفاظ ہیں ان سے مراد ان کا وہ مثل ہے جو اللہ تعالیٰ نے آخرت میں ٹھہرا رکھا ہے، وہ مثل مراد نہیں ہے جو دنیا میں سمجھا جاتا یا سمجھا جا سکتا ہے۔ نیز یہاں نیکی کے صلہ کی جو مقدار بیان ہوئی ہے وہ کم سے کم ہے۔ اس سے اس فضل کی نفی نہیں ہوتی جو دوسری

مقامات میں مذکور ہے۔

'قل انّنی ھدانی ربی الی صراط مستقیم، دینا قیما ملة ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین'۔ 'دینا قیما' 'صراط مستقیم' سے بدل ہے اور لحاظ اس کے موقع و محل کا ہے۔ 'قیم' اور 'قیّم' دونوں ہم معنی ہیں یعنی سیدھا اور فطری دین جس میں کوئی کجی اور انحراف نہیں ہے۔ قرآن میں یہ لفظ ملّت ابراہیم اور ملّت اسلام کے لئے استعمال ہوا ہے اور مقصود اس سے اس ملت کے اس پہلو کو واضح کرنا ہوتا ہے کہ یہ اس زیغ و انحراف سے بالکل پاک ہے جو مشرکین، یہود اور نصاریٰ نے اپنے دین میں پیدا کر لیا۔

یہ وہی اوپر والی بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے مثبت انداز میں کہلائی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہیں مشرکین اور یہود و نصاریٰ کی پیدا کردہ بدعات و خرافات سے کوئی سروکار نہیں۔ تم واضح الفاظ میں ان سب کو یہ اعلان سنا دو کہ مجھے تو میرے پروردگار نے صراط مستقیم — دینِ قیم، ملّتِ ابراہیمؑ — کی ہدایت بخشی ہے جو اپنے رب کی طرف یکسو تھے، مشرکین میں سے نہ تھے۔ گویا وہ بحث جو اس سورہ میں شروع سے چلی تھی اپنے آخری نتیجہ تک پہنچ گئی۔ آخر میں آنحضرتؐ نے اعلان فرما دیا کہ اصل ملّتِ ابراہیمؑ یہ ہے جس پر میں ہوں جس کو پوری کرنی ہو اس کی پیروی کرے، اس کے سوا سب کج پیچ کی راہیں ہیں جن سے مجھے کوئی تعلق نہیں، میں ان سے بری ہوں۔

'قل ان صلاتی ونسکی الآیہ'۔ 'نسک' کے لفظ پر ہم دوسرے مقام میں گفتگو کر چکے ہیں۔ یہاں نسک کے معنی قربانی کے ہیں اور نماز کے ساتھ اس کا جوڑ اس مفہوم کے لئے قرینہ فراہم کرتا ہے۔ سورۂ کوثر میں ارشاد ہے 'فصلّ لربک وانحر' (پس اپنے رب ہی کی نماز پڑھ اور اسی کے لیے قربانی کر)

یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ملّتِ ابراہیمؑ اور ملّتِ اسلام کی اصل روح کی تعبیر کرائی گئی ہے۔ نماز اور قربانی، زندگی اور موت دونوں میں، غور کیجئے نہایت حسین تقابل ہے۔ نماز کے مقابل میں زندگی اور قربانی کے مقابل میں موت ہے۔ یہ اشارہ ہے کہ جو اس ملّت پر ہے وہ جیتا ہے تو خدا کے لئے اور مرتا ہے تو خدا کے لئے۔ اس کی زندگی میں کوئی تقسیم نہیں ہے۔ یہ از ابتدا تا انتہا بالکل ہم رنگ و ہم آہنگ ہے۔ خدا کا کوئی ساجھی نہیں 'لاشریک له'، اس وجہ سے بندے کی زندگی میں بھی کوئی ساجھی نہیں۔ یہ پوری کی پوری، بغیر کسی تقسیم و تجزیہ اور بغیر کسی تحفظ و استثناء کے صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کے لئے ہے۔ فرمایا کہ 'وبذٰلک امرت وانا اول المسلمین' یہی میری فطرت ہے اور اسی کی مجھے اوپر سے ہدایت آئی ہے اس وجہ سے میں نے سب سے آگے بڑھ کر اس قلادہ کو اپنی گردن میں ڈالا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں تو اس راہ میں چل پڑا ہوں اب جس میں ہمت ہو اس راہ میں میرا ساتھ دے۔ میں اپنا سفر دوسروں کے انتظار میں ملتوی نہیں کر سکتا۔

'قل اغیر اللہ ابغی ربا وھو رب کل شیء الآیہ'۔ یہ اس اسلام اور اس سرفگندگی و سپردگی کی دلیل بیان ہوئی ہے جس کا اظہار اوپر والی آیت میں ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا رب ہے تو میں آخر کس طرح اس کے سوا کسی اور کو رب بناؤں اور اپنی زندگی میں کسی اور کی شرکت تسلیم کروں؟ ہر جان جو کمائی کرے گی اس کی ذمہ داری بہرحال اسی پر آئی ہے، کوئی دوسرا اس کے بوجھ کا اٹھانے والا نہیں بنے گا۔ خدا ہی کی طرف سب کا پلٹنا ہوگا، اور وہ ان سارے اختلافات کا فیصلہ سنائے گا جن میں آج تم مبتلا ہو۔

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۗ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ ۶۵

یہ قریش کو آخری تنبیہ ہے کہ اس دنیا کے اسٹیج پر نمودار ہونے والی تم پہلی قوم نہیں ہو۔ تم سے پہلے کتنی قومیں اس سٹیج پر نمودار ہوئیں، پھر غائب ہو گئیں، یہاں تک کہ خدا نے ان کی جگہ تم کو دی۔ یہ خلافت خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس دنیا کے مالک نے جس باٹ اور ترازو سے ان کو تولا اسی باٹ، اسی ترازو سے وہ تم کو بھی تولے گا اور اس کی میزان میں اگر تم پورے نہ اترے تو جس طرح اس نے دوسروں کو پھینک دیا اسی طرح تم کو بھی اٹھا پھینکے گا۔ خدا کی جو سنت دوسروں کے معاملہ میں رہی ہے، کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ تمہارے معاملہ میں بدل جائے۔ یہاں یہ بات اختصار کے ساتھ فرمائی ہے۔ اس کی پوری تفصیل آگے والی سورہ — اعراف — میں آ رہی ہے جو اس کی توام سورہ ہے۔

'رفع بعضکم فوق بعض درجات لیبلوکم فیما آتاکم' یہ اس مغالطے کو رفع فرمایا ہے جو دولت مندوں کو بالعموم لاحق ہوتا ہے کہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی دنیاوی زندگی میں کامیاب ہیں اور دنیوی اسباب و وسائل انکو ان لوگوں کی نسبت زیادہ ہی حاصل ہیں جو انہیں آخرت کے ڈراوے سنا رہے ہیں تو وہ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ ان کو ڈراوے سنانے والے بیوقوف ہیں، اگر ان کی زندگی غلط ہوتی تو ان کو یہ کامیابیاں کہاں سے ہوتیں؟ اس طرح وہ اپنی سرکشی میں اور زیادہ دلیر ہو جاتے ہیں۔ فرمایا کہ اس مغالطے میں پڑ کر اپنے کو تباہ نہ کرو۔ یہ جو کچھ تمہیں ملا ہے تمہاری خوبیوں اور قابلیتوں کا ثمرہ نہیں ہے بلکہ اللہ کی طرف سے تمہارا امتحان ہے کہ تم شکرگزار بنتے ہو یا ناشکرے۔ نیکیوں اور بدیوں کی جزا اور سزا کا دن آگے آنے والا ہے اور یہ دیکھو کہ وہ بہت دور ہے۔ وہ جلد آنے والا ہے اور اس دن ہر شخص اپنی نیکی اور بدی دیکھ لے گا۔ جنہوں نے اپنے رب کی ناشکری کی ہوگی وہ اس ناشکری کی سزا بھگتیں گے، جنہوں نے اس کا حق پہچانا ہوگا، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی مغفرت و رحمت سے نوازے گا۔

یہ آخری سطریں ہیں جو اس بے مایہ اور گنہگار کے قلم سے اس سورہ کی تفسیر میں رقم ہوئیں۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

جمعہ ۱۰ بجے صبح - ۱۰ صفر ۱۳۸۸ھ - ۱۰ مئی ۱۹۶۸ء

ڈاکٹر محمد رفیع الدین
ایم اے پی ایچ ڈی ۔ ڈی لٹ

منشورِ اسلام

(۵)

غلط نصب العین سے محبت کرنے کے خطرات ۔ زندگی اور اس کی اقدار کے متعلق غلط نقطۂ نظر

(۱) جب کوئی فرد یا کوئی قوم انبیاء کی دعوت کو نظر انداز کر دے اور کسی غلط نصب العین سے محبت کرنے لگ جائے تو اس حالت کو اسلام کی اصطلاح میں کفر کہا جاتا ہے۔

نصب العینوں کی جن خصوصیات کا ذکر اوپر کیا گیا ہے ان سے آشکار ہے کہ کسی غلط نصب العین کی محبت یا کفر کی حالت اس فرد یا قوم کے لئے جو اسے اختیار کرے نہایت ہی خطرناک نتائج پیدا کرتی ہے۔ مختصر طور پر یہ نتائج حسب ذیل ہیں :-

(۲) چونکہ ایک غلط نصب العین دراصل حسن کی تمام صفات سے عاری ہوتا ہے اور اس کا چاہنے والا ان صفات کو اس کی طرف محض ایک غلطی کی بناء پر منسوب کر رہا ہوتا ہے لہٰذا جو فرد اس سے محبت کرتا ہے وہ اس کی صفات کو اپنی عملی زندگی میں اجاگر کرتے ہوئے انسانی زندگی اور اس کی اقدار کے متعلق ایک غلط نقطۂ نظر پیدا کر لیتا ہے۔ حسن، خیر اور صداقت کے لئے اس کی فطرت کا جذبۂ محبت پوری آزادی کے ساتھ اور مکمل طور پر اپنا اظہار نہیں پا سکتا۔ کیونکہ اس کا ناقص نصب العین جو ان صفات سے عاری ہوتا ہے ان کے اظہار کے ساتھ مزاحمت کرتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عدل، دیانت داری، سچائی، مساوات، آزادی، نیکی اور اخوت ایسی اخلاقی اقدار کے صحیح تقاضوں کے متعلق اس کے اندازے اور فیصلے غلط ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنی غلط قسم کی محبت سے نادانستہ طور پر اور ایک غیر محسوس طریق سے مجبور ہوتا ہے کہ ان اصطلاحات کو غلط اور محدود اور تنگ نظرانہ معنی پہنائے اور لہٰذا ان کو اخلاق کے بلند معیار سے نیچے گرا کر شر انگیزی کا ذریعہ بنائے۔ وہ ان اوصاف کے صحیح مطالبات کو عملی طور پر نظر انداز کرتا ہے۔ اپنی بہترین نیتوں اور بہترین کوششوں کے باوجود اس کے افعال غلط مقاصد کے لئے صادر ہونے لگتے ہیں۔ اس کے فکر و عمل کی قوتیں جن پر اس کا غلط نصب العین حکمران ہوتا ہے، غلط طور پر کام کرتی

ہیں اور غلط نتائج پیدا کرتی ہیں۔ وہ اس چیز سے نفرت کرتا ہے جو درحقیقت قابل ستائش اور لائق محبت ہوتی ہے اور اس چیز سے محبت کرتا ہے جو درحقیقت زشت اور نامحمود ہوتی ہے۔ اشیاء کے متعلق اس کا زاویۂ نگاہ بگڑ جاتا ہے اور اشخاص اور حقائق کے متعلق اس کا خیال ٹھوکریں کھانے لگتا ہے۔ اپنی غلط محبت کے دباؤ کی وجہ سے نہ وہ ٹھیک طرح سے دیکھ سکتا ہے۔ نہ سن سکتا ہے نہ سوچ سکتا ہے نہ بول سکتا ہے اور نہ کام کر سکتا ہے اور پھر سب سے بڑی مصیبت یہ ہوتی ہے کہ وہ ایک ایسی غفلت کے عالم میں ہوتا ہے کہ اسے اپنی ان کوتاہیوں اور مجبوریوں کا قطعاً کوئی علم نہیں ہوتا وہ گویا ایک حیوان کی طرح ہوتا ہے جسے اس کا غلط نصب العین جس طرف چاہے ہانک کرلے جاتا ہے بلکہ حیوان بھی اتنا گمراہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ بھی قدرت کی عطا کی ہوئی جبلتوں کے مطابق عمل کرتا ہے اور اس کا عمل قدرت کے مقاصد سے ہٹا ہوا نہیں ہوتا۔

لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝

ان کے دل ہیں جن سے سوچتے نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے نہیں۔ اور ان کے کان ہیں جن سے سنتے نہیں۔ وہ حیوانات کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔ یہی لوگ ہیں جو اپنی گمراہی سے بھی بے خبر ہیں۔

چونکہ نصب العین انسان کے ہر فعل کا سرچشمہ ہے اور اس کی قدر و قیمت کو معین کرتا ہے لہٰذا انسان کا ہر فعل اتنا ہی اچھا یا بڑا ہوتا ہے جتنا کہ وہ نصب العین اچھا یا بڑا ہوتا ہے جس سے وہ صادر ہوتا ہے۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ اس شخص کا کیریکٹر بھی حقیقی طور پر عمدہ یا مفید نہیں ہو سکتا جو ایک ناقص اور غلط نصب العین سے محبت کر رہا ہو مثلاً جس شخص کا نصب العین کوئی قوم ہو جو کسی خاص خطۂ زمین میں بس رہی ہو اور اپنے کیریکٹر کی ایک خاص رنگت رکھتی ہو اور ایک خاص نسل سے تعلق رکھتی ہو اور ایک خاص زبان بولتی ہو اس کا تصور صداقت یا عدل یا حریت یا مساوات کبھی اتنا وسیع نہیں ہو سکتا کہ ان لوگوں پر بھی حاوی ہو جائے جو اس ملک یا رنگ یا نسل یا زبان سے تعلق نہ رکھتے ہوں۔ وہ سمجھتا ہے کہ صداقت، عدل، حریت یا مساوات کا کوئی ایسا تصور اس کی محبت یا کوشش کے لائق نہیں جو اس کی اپنی قوم کو چھوڑ کر کسی دوسری قوم کو فائدہ پہنچاتا ہو یا اس کی اپنی قوم کے مفاد کی قیمت پر کسی دوسری قوم کی عظمت کا اہتمام کرتا ہو۔

خدا کی محبت صرف ایک ہی سرچشمہ ہے جس سے اخلاقی اقدار کی محبت جو انسان کی فطرت میں ہے وہ قوت حاصل کر سکتی ہے جو ان اقدار کو جامۂ عمل پہنانے کے لئے درکار ہوتی ہے۔ جو شخص کسی غلط اور ناقص نصب العین

سے محبت کر رہا ہو وہ بھی ہمہ گیر اخلاقی اصولوں سے مطابقت رکھنے والے عمدہ اخلاقی عمل کی فطری خواہش تو رکھتا ہے لیکن اس کی یہ خواہش اس کی غلط محبت سے دب جاتی ہے اور لہٰذا وہ اس کے تقاضوں کا صحیح ادراک یا اُن کی صحیح ترجمانی نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف غلط نصب العینوں کے چاہنے والے اس بات پر اتفاق نہیں کر سکتے کہ صداقت، عدل، حریت اور مساوات ایسی اصطلاحات کا صحیح مفہوم کیا ہے اور وہ کس قسم کے عمل کا تقاضا کرتی ہیں اور ایسی حالت میں جب کہ وہ ایک دوسرے کے گلے کاٹ رہے ہوتے ہیں، نہایت اخلاص اور دیانت داری کے ساتھ یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ ان اخلاقی اقدار کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے قربانیاں پیش کر رہے ہیں جن پر یہ اصطلاحات دلالت کرتی ہیں۔

غلط اور ناقص نصب العین کی محبت نہ مکمل ہو سکتی ہے اور نہ مستقل طور پر قائم رہ سکتی ہے

(۲) ایک ایسے شخص کی محبت جو کسی غلط اور ناقص نصب العین کو اختیار کر لیتا ہے نہ تو اپنے کمال پر پہنچ سکتی ہے اور نہ ہی تا دیر قائم رہ سکتی ہے۔ کامل اس لئے نہیں ہو سکتی کہ وہ حسن، خیر اور صداقت کے لئے اس کے فطری جذبہ محبت سے جو اسے مطلق اور عالمگیر اخلاقی اصولوں کے مطابق عمل پر اکساتی ہے مطابقت نہیں رکھتی اور اندر ہی اندر اس کے ساتھ متصادم ہوتی رہتی ہے لہٰذا وہ اپنی غلط محبت کی وجہ سے اپنے اس فطری جذبۂ محبت کی مکمل تشفی نہیں کر سکتا اس کے علاوہ حسن کے وہ اوصاف جن کی موجودگی کا وہ شعوری احساس نہیں رکھتا اور جن کو وہ اس کی طرف فقط اپنی غلطی کو مکمل کرنے کے لئے بلاوجہ اور غیر شعوری طور پر منسوب کر رہا ہوتا ہے۔ اس کی محبت کی نشو و نما میں ایک رکاوٹ پیدا کرتے ہیں اور اسے ایک خاص حد سے آگے بڑھنے نہیں دیتے۔ لہٰذا وہ اپنے غلط نصب العین کے ساتھ دل و جان سے محبت نہیں کر سکتا بلکہ اس کے لئے ایک مخفی غیر شعوری نفرت جو بعد میں آشکار اور باشعور ہو جاتی ہے اس کے دل کی گہرائیوں میں چھپی رہتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی زندگی غیر مطمئن رہتی ہے اور وہ بہت جلد خوف، غم، پریشانی، جلد ہسٹیریا، ذہنی مجادلہ اور دوسرے اعصابی امراض میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب بما اشرکوا باللہ ما لم ینزل بہ سلطانًا

عنقریب ہم کافروں کے دلوں میں خوف پیدا کر دیں گے اس بنا پر کہ انہوں نے اس چیز کو خدا کا شریک ٹھہرایا جس کے لئے اس نے کوئی دلیل نازل نہیں کی تھی۔

من اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا ونحشرہ یوم القیامۃ اعمی

جس شخص نے میرے ذکر سے روگردانی کی اسے ایک دشوار زندگی کا سامنا کرنا ہوگا اور ہم قیامت کے دن (بھی) اسے اندھا بنا کر اٹھائیں گے۔

ومن یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض لہ شیطانًا فہو لہ قرین ۝

جو شخص خدا کے ذکر سے منہ موڑ لیتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں جو اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ حسن سے محبت کرنے کے یہ دونوں طریقے (جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے (یعنی نصب العین کے حسن پر غور و فکر اور نصب العین کے حصول کے لئے عمل) ایک غلط نصب العین کی محبت کو بھی کچھ عرصہ کے لئے ترقی دیتے ہیں لیکن اس کی ترقی جلد ہی ایک مقام پر پہنچ جاتی ہے جس سے آگے نہیں جا سکتی بلکہ جہاں پہنچ کر یہ طریقے اس کی محبت میں اضافہ کرنے کی بجائے اس کے نقائص کو آشکار کرنے اور اس کی نفرت پیدا کرنے اور اسے ترقی دینے کا نتیجہ پیدا کرتے ہیں۔

ایک غلط نصب العین زود یا بدیر فرد اور قوم کی زندگی کے ایسے حالات پیدا کرتا ہے جو ناقابل برداشت ہوتے ہیں۔

(۳) ایک غلط نصب العین کے نا دیدنی اوصاف جو اس کے چاہنے والوں کی نظروں سے اوجھل ہونے کے باوجود ان کے اعمال کی نوعیت کو معین کرتے رہتے ہیں ان کی زندگی کے خارجی حالات کے آئینے میں آشکار ہو جاتے ہیں اس لئے ایک غلط نصب العین ایسے قومی اور بین الاقوامی حالات پیدا کرتا ہے جو انسانوں کے بڑے بڑے گروہوں کو مصیبت اور پریشانی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ ایک غلط نصب العین در اصل ہر پہلو سے اور مکمل طور پر ناکام ہوتا ہے کیونکہ وہ زندگی کے خارجی حالات میں حسن کے ان اوصاف کو بھی آشکار نہیں کر سکتا جو اس کے چاہنے والے اس کی طرف شعوری طور پر اور دیدہ دانستہ منسوب کر رہے ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نصب العین کے وہ نقائص جو اس کی فطرت میں مضمر ہوتے ہیں ان اوصاف کے ساتھ ٹکراتے ہیں اور ان کے کامیاب عملی خارجی اظہار کو ناممکن بنا دیتے ہیں۔

جنگ جوئی اور خون ریزی کا اصل سبب

(۴) صحیح اور سچا نصب العین صرف خدا ہے جو ایک ہے۔ لیکن غلط اور جھوٹے نصب العین جو انسان کی فطرت سے مطابقت نہیں رکھتے لاتعداد ہیں اور ان میں سے بہت سے بیک وقت ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو

موجود ہو جاتے ہیں۔ چونکہ ان غلط نصب العینوں میں سے ہر ایک اپنا ایک ضابطہ اخلاق و عمل رکھتا ہے اور اپنے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے غیر محدود قوت اور توسیع کا متمنی ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کا ضابطہ اخلاق و عمل پوری دنیا میں قبول کر لیا جائے۔ لہٰذا ہر نصب العین کی جماعت دوسری تمام نصب العینی جماعتوں کے خلاف برسرپیکار ہو جاتی ہے اور تمام نصب العینی جماعتیں ایک غیر مختتم جنگ میں الجھ جاتی ہیں اور جوں جوں انسانوں کو جنگ و جدال میں ہلاک کرنے کے آلات قوت اور اثر میں ترقی کرتے جاتے ہیں نصب العینوں کی یہ غیر مختتم جنگ بھی زیادہ سے زیادہ انسانوں کی خون ریزی اور تباہی کا سبب بنتی جاتی ہے۔

جو قوم غلط نصب العین پر قائم ہوتی ہے اس کا آخر کار مٹ جانا ضروری ہوتا ہے

(۵) وہ قوم جو کسی غلط نصب العین کی محبت پر قائم ہو تا دیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ ممکن ہے کہ وہ کئی صدیوں تک زندہ رہے لیکن فطرت انسانی کے ناقابل تغیر قوانین کے عمل کی وجہ سے ضروری ہے کہ وہ آخر کار نیست و نابود ہو کر رہے۔

ولکل امۃ اجل فاذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون

ہر قوم کے لئے جو کسی غلط نصب العین کی پرستار ہو ایک مدت حیات ہوتی ہے جب ان کی موت ختم ہونے کا وقت آتا ہے تو وہ نہ اس سے پیچھے رہتے ہیں اور نہ آگے نکلتے ہیں۔

مثل کلمۃ خبیثۃ کشجرۃ خبیثۃ ن اجتثت من فوق الارض ما لھا من قرار ہ

ایک ناپاک کلمے یعنی ایک ناپاک اعتقاد یا نصب العین کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک ناپائدار درخت جسے زمین سے اکھاڑ کر پھینک دیا جاتا ہے اور اسے کوئی ثبات یا قرار نہیں ہوتا۔

مثل الذین اتخذوا من دون اللہ اولیاء کمثل العنکبوت اتخذت بیتا وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت لو کانوا یعلمون ہ

ان لوگوں کی مثال جو خدا کو چھوڑ کر اوروں کو یعنی اور نصب العینوں کو دوست بناتے ہیں ایک مکڑی کی طرح ہے جو اپنے لئے گھر بناتی ہے اور یقیناً سب گھروں سے زیادہ کمزور گھر مکڑی کا ہی گھر ہوتا ہے کاش کہ یہ لوگ جانتے۔

لہٰذا وہ ساری قربانیاں جو ایک غلط نصب العین کے پرستار اس کے لئے کرتے ہیں رائیگاں جاتی ہیں وہ مجبور ہوتے ہیں کہ خود اپنے ہاتھوں سے عمارت کو ڈھائیں اور برباد کریں جسے وہ صدیوں کی محنت شاقہ کے بعد

کھڑا کرنے کے قابل ہوئے کیونکہ انہوں نے نہیں دیکھا تھا کہ اس عمارت کی دیواریں ٹیڑھی ہیں اور وہ ان کے ذوق حسن کو مطمئن نہیں کر سکے گی اور ان کے کسی کام نہیں آ سکے گی۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک بڑھیا جو بڑی محنت اور بڑے شوق سے سوت کاتتی ہے اور پھر جب کات لیتی ہے تو اپنے ہی ہاتھوں سے اسے نوچ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔

لا تکونوا کالتی نقضت غزلھا من بعد قوۃ انکاثا

اس عورت کی طرح نہ بنو جو اپنے سوت کو مضبوطی سے کاتنے کے بعد کھول کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔

یہ لوگ جب تک اپنے غلط نصب العین کی خدمت میں قربانیاں پیش کر رہے ہوتے ہیں تو کسی کی پند و نصیحت سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے کیونکہ ان کو یقین ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں بالکل درست ہے لیکن درحقیقت وہ اپنی زندگی کو ضائع کر رہے ہوتے ہیں۔

قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا ہ الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا ہ

کہئے کیا میں تم کو ان لوگوں کا حال بتاؤں جن کے اعمال سب سے زیادہ نقصان رساں ہیں۔ یہ لوگ وہ ہیں جن کی تگ و دو اس دنیا کی زندگی کے لئے صرف ہو کر رہ گئی ہے اور اس کے باوجود وہ سمجھتے ہیں کہ وہ نہایت اچھے کام کر رہے ہیں۔

وہ اپنے نصب العین سے مخلصانہ اور والہانہ محبت کرتے ہیں لیکن اس کا انجام فقط یہ ہوتا ہے کہ وہ نصب العین انہیں فریب دے کر چھوڑ جاتا ہے اور ان کو اپنی غلط محبت کی قیمت اپنی جان سے ادا کرنا پڑتی ہے اور اس کے عوض میں وہ فقط تباہی اور بربادی کو مول لیتے ہیں۔ قرآن حکیم بار بار ایسی قوموں کا ذکر کرتا ہے جن کو دنیا سے اس لئے رخصت ہونا پڑا کہ وہ خدا کو چھوڑ کر غلط نصب العینوں سے محبت کرتے تھے۔

قل سیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبل ط کان اکثرھم مشرکین ہ

کہئے زمین پر چلو پھرو اور دیکھو کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوا ہے جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں اور جو خدا سے شرک کیا کرتے تھے۔

الم یروا کم اھلکنا من قبلھم من قرن مکنھم فی الارض ما لم نمکن لکم وارسلنا السماء علیھم مدرارا وجعلنا الانھر تجری من تحتھم فاھلکنٰھم بذنوبھم وانشانا من بعدھم قرنا اخرین ہ

کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی نسلوں کو ہلاک کر دیا ہے جن کو ہم نے زمین پر اس طرح سے متمکن کیا تھا کہ تم کو بھی ویسا نہیں کیا اور ہم نے ان پر آسمان سے موسلا دھار مینہ برسائے اور دریاؤں کو ان کے قدموں پر جاری کیا پس ہم نے اُن کو ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر دیا اور ان کے بعد اور نسلوں کو پیدا کر دیا۔

غلط نصب العین پر قائم ہونے والی ریاست میں سچی آزادی ممکن نہیں

(۶) ایک ایسی ریاست جو کسی غلط نصب العین پر مبنی ہو فرد کو سچی آزادی نہیں دے سکتی۔ ایسی ریاست میں فرد ظاہری طور پر آزاد ہوتا ہے لیکن دراصل وہ ریاست کے غلط نصب العین کا غلام ہوتا ہے۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ اپنی غلط تعلیم کی وجہ سے وہ اپنے غلط نصب العین کو پسند کرنے لگ جاتا ہے اور اپنی غلامی کو آزادی سمجھ کر اس سے پوری طرح رضامند ہو جاتا ہے۔ اُسے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ ایک ایسے نصب العین کا غلام بن گیا ہے جو اس کی فطرت سے مطابقت نہیں رکھتا اور اُسے اپنے غیر فطری اور غلط ضابطہ اخلاق کی پیروی پر مجبور کر رہا ہے۔

اگر آزادی کا کوئی مطلب ہو سکتا ہے تو وہ سوائے اس کے کوئی اور نہیں ہو سکتا کہ کوئی انسان اپنی اس آرزو کو مطمئن کرنے کے لئے کلی اور مستقل طور پر آزاد ہے جو آخرکار اس کی فطرت کی صرف ایک ہی آرزو ہے اور یہ آرزو خدا کی آرزو ہے۔ ان بیرونی قوتوں میں جو اس آزادی کے ساتھ مزاحمت کرتی ہیں، نہ صرف غلط نصب العین پر قائم ہونے والی ریاست کا قانون شامل ہوتا ہے جو اسے اس کی فطرت کے خلاف کام کرنے پر مجبور کرتا ہے بلکہ وہ نظام تعلیم (جس میں سماجی ماحول بھی داخل ہے) بھی شامل ہوتا ہے جو اسے نادانستہ طور پر ایسی خواہشات کو دل میں جگہ دینے پر مجبور کرتا ہے جو اس کے فطری جذبہ محبت کے تقاضوں کے خلاف ہوتی ہیں۔

ایک غلط نصب العین کی محبت انسان کی بعد از مرگ زندگی کو دشوار بناتی ہے

(۷) اس آدمی کے اعمال جو ایک غلط نصب العین سے محبت کر رہا ہو نہ صرف یہ کہ آخرکار اس دنیا میں اس کے کسی کام نہیں آتے بلکہ وہ اس کی اگلی دنیا کی زندگی میں بھی اس کی ترقی اور خوشی کے راستہ میں ناقابل عبور، دلدوز اور درد انگیز رکاوٹوں کا سامان بن جاتے ہیں۔

نوع انسانی کے بقا کی ایک لازمی شرط : اگر ہم فقط انسان کی اس دنیا کی زندگی کو ہی

زیر غور لائیں تو پھر بھی غلط نصب العینوں سے محبت کرنے کے نقصانات اتنے شدید ہیں کہ اس میں ذرا شک نہیں رہتا کہ اگر قدرت انبیاء کو بھیج کر انسان کی اس کوشش کی صحیح راہ نمائی کا اہتمام نہ کرتی جس کے ذریعہ سے وہ نصب العین کی محبت کے فطری جذبہ کی تشفی کرتا ہے تو اس بات کی کوئی امید نہ ہو سکتی تھی کہ نوع انسانی تا دیر کرۂ ارض پر زندہ رہ سکے گی۔ لیکن اب جبکہ خدا کی رحمت سے نبوت کی ہدایت دنیا میں موجود ہو چکی ہے صورت حال مختلف ہے۔ جس قدر زیادہ نوع انسانی اپنے مختلف گروہوں کے باہمی دشمنیوں اور رقابتوں کی وجہ سے اپنی ہلاکت اور بربادی کے قریب آتی جائے گی (اور اس میں شک نہیں کہ اس وقت وہ دن بدن اس کے زیادہ قریب آتی جا رہی ہے) اسی قدر زیادہ وہ اس بات پر مجبور ہوگی کہ اس خطرناک صورت حال کا کوئی موثر اور کامیاب علاج تلاش کرے اور اس کا موثر اور کامیاب علاج اسے صرف تعلیم نبوت میں ہی مل سکے گا جو انسان کی خوش قسمتی سے پہلے ہی موجود ہے۔

والعصر ه ان الانسان لفی خسر ه الا الذین امنوا و عملوا الصلحت
وتواصوا بالحق و تواصوا بالصبر ه

(قسم ہے زمانہ کی۔ انسان یقیناً بڑے نقصان میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لاتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو اتباع حق کی تلقین کرتے ہیں اور صبر سے کام لینے کی تلقین کرتے ہیں)

وما ارسلنک الا رحمة للعلمین

اور ہم نے فقط آپ کو اہل عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

صحیح نصب العین سے محبت کرنے کی برکتیں

جب کوئی انسانی فرد یا انسانوں کا گروہ انبیا کی دعوت کو قبول کر لیتا ہے اور خدا کے سچے نصب العین سے محبت کرنے لگ جاتا ہے تو اس حالت کو اسلام کی اصطلاح میں حالتِ ایمان کا نام دیا جاتا ہے۔ ایسا فرد انسانی یا ایسا انسانی گروہ صاف اور سیدھی سڑک پر چل نکلتا ہے جو اس کے انتہائی ہمہ گیر کمال کی طرف جاتی ہے اور آخرکار وہ اتنا کامل اور بے عیب ہو جاتا ہے جتنا کہ ہم کسی فرد یا گروہ کے کامل اور بے عیب ہونے کا تصور کر سکتے ہیں۔

زندگی اور اس کی اقدار کا صحیح نقطہ نظر

وہ انسان جو خدا کے صحیح نصب العین سے سچی محبت کرتا ہے زندگی اور اس کی قدروں کے

متعلق صحیح نقطۂ نظر پیدا کر لیتا ہے۔ اشیا اور اشخاص کے متعلق اس کا زاویہ نگاہ درست ہو جاتا ہے اور اس کے الفاظ اور افکار اور افعال درست ہو جاتے ہیں۔ وہ ایسی چیزوں سے محبت کرتا ہے جو درحقیقت ستائش اور محبت کے قابل ہوتی ہیں اور ایسی چیزوں سے نفرت کرتا ہے جو درحقیقت زشت اور قابل نفرت ہوتی ہیں۔ صرف ایسا شخص ہی نیکی، سچائی، عدل، مساوات، اخوت، حریت وغیرہ اصطلاحات کے معنی صحیح طور پر سمجھ سکتا ہے اور پوری طرح سے ان کی اہمیت اور ضرورت محسوس کر سکتا ہے۔ وہی اس قابل ہوتا ہے کہ اپنے نصب العین کو وہ تمام محبت پوری طرح سے دے سکے جس کی استعداد اس کی فطرت میں رکھی گئی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لئے ممکن نہیں ہوتا کہ اپنے نصب العین کے اندر کوئی کمی یا نقص دریافت کر سکے۔ اس کے برعکس اسے یہ معلوم کر کے خوشی ہوتی ہے کہ اس کے نصب العین کا حسن و کمال ہر لحظہ اس سے کہیں زیادہ ثابت ہو رہا ہے جو وہ اس کی طرف منسوب کر رہا تھا۔ پھر چونکہ اس کی فطرت کا جذبۂ محبت اس کے صحیح نصب العین کی وجہ سے نہایت آسانی کے ساتھ پوری پوری تشفی حاصل کر رہا ہوتا ہے وہ ایک گہری مسرت اور گہرے اطمینان قلب سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ پھر وہ پریشانیوں اور ذہنی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اس کی شخصیت نہایت ترقی یافتہ نہایت ہی متحد اور طاقتور اور دلیر اور باوقار ہوتی ہے۔

ہم سے طلب فرمائیے

تصانیف: پروفیسر یوسف سلیم چشتی

(۱) انوارِ مجددی

یعنی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے چیدہ چیدہ مکتوبات کا سلیس اور شگفتہ ترجمہ مع تعارف مکتوب الیہم و حواشی مفیدہ

سائز $\frac{۲۰ \times ۳۰}{۱۶}$ صفحات ۳۸۴ مجلد مع ڈسٹ کور: قیمت چار روپے صرف (محصول ڈاک علاوہ)

(۲) شرح تلمیحات و شرح مشکلات اکبر

یعنی کلیات حضرت اکبر الٰہ آبادی مرحوم کے مشکل اشعار کی تشریح

سائز $\frac{۲۲ \times ۱۸}{۸}$ صفحات ۴۲۴ کاغذ سفید مجلد مع ڈسٹ کور

قیمت ۹ روپے: محصول ڈاک اس کے علاوہ

دارالاشاعت الاسلامیہ کوثر روڈ، کرشن نگر لاہور

فون نمبر ۶۹۵۲۲

فہرست مطبوعات

دارالاشاعۃ الاسلامیہ لاہور

۱ ـ تدبر قرآن، جلد اول: تالیف مولانا امین احسن اصلاحی
مشتمل بر تفاسیر آیۃ بسم اللہ، سورۃ فاتحہ، سورۃ بقرہ و سورۃ آل عمران
سائز ۲۹ × ۲۲/۸ عمدہ دبیز سفید کاغذ۔ طباعت آفسٹ۔ چرمی پشتے کے ساتھ خوش نما و پائیدار جلد
ہدیہ — ۳۰ روپے (محصول ڈاک ڈھائی روپے)

۲ ـ تحریک جماعت اسلامی، ایک تحقیقی مطالعہ
تالیف ڈاکٹر اسرار احمد — قیمت — چار روپے

۳ ـ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کرنے کا اصل کام .. .. .. ایک روپیہ

۳ ـ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق .. .. ..

۵ ـ قرآن اور امن عالم .. .. پچاس پیسے

۶ ـ اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدعا اور طریق کار — قسم اعلیٰ .. ڈیڑھ روپیہ
تالیف ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم — قسم ادنیٰ .. ایک روپیہ

۷ ـ اقامت دین کے لئے انبیاء کرام کا طریق کار
تالیف مولانا امین احسن اصلاحی .. پچاس پیسے

۸ ـ قرآن اور پردہ .. .. .. ساٹھ پیسے

زیر طبع کتب

۱ ـ تدبر قرآن کے اصول و آداب ... تالیف مولانا امین احسن اصلاحی
۲ ـ تفسیر تدبر قرآن، جلد دوم ... " " "
۳ ـ اسلامی ریاست ... " " "
۴ ـ دعوت دین اور اس کا طریق کار ... " " "

دارالاشاعۃ الاسلامیہ لاہور

کوثر روڈ، اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور ـ ۱ (فون 69522)